جلد ۹۰ — فروری ۱۹۷۹ء — عدد ۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مرتبہ

ابوالاعلیٰ مودودی

ادارۂ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور

ترجمان القرآن لاہور

فہرست مضامین

جلد ۹۰ | فروری ۱۹۷۹ء مطابق ربیع الاول ۱۳۹۹ھ | عدد ۶

ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور

۵-اے ذیلدار پارک، اچھرہ- لاہور

فون نمبر ——— ۴۱۱۰۱۶ ——— ۴۱۱۰۱۷

زرِ سالانہ بیس روپے - فی پرچہ -/۲ روپے

ابو الخیر مودودی پبلشر نے پاکستان پرنٹنگ ورکس لاہور میں چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن اچھرہ لاہور سے شائع کیا

پرنٹر: محمد شفیع

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشارات

بڑی بابرکت علامت ہے کہ نظامِ اسلامی کی سمت میں واضح اقدامات کا وقت ربیع الاوّل کے اُس مبارک مہینے میں آرہا ہے جس میں خدا کی طرف سے اس پیغمبرِ فلاحِ انسانیت کی بعثت ہوئی جس نے اسلام سکھایا، جس نے اسلامی تحریک برپا کی، جس نے ناسازگار ماحول اور مخالف و مزاحم قوتوں کے ہجوم سے لڑکر اسلامی نظام کو استوار کیا، اور تاریخ میں اجتماعیت کے ایک نئے نقشے پر عملاً ایک بہترین معاشرے کو چلا کر اقوامِ عالم کے لیے نمونہ و معیار فراہم کر دیا۔

اس مرتبہ کے ماہ ربیع الاوّل میں واقعۂ میلاد النبیؐ کی یاد تازہ کرتے ہوئے، سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۷[1] کو مرکزِ نظر اور محورِ فکر اور لائحہ عمل بنانا چاہیے۔ اس آیت میں خدا کے آخری رسول و نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کارنامۂ عظیم کو ذیل کے اجمالی اشارات میں بیان کیا گیا ہے:

۱۔ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ۔ — وہ انہیں (یعنی اتباع کرنے والوں کو[1]) نیکیوں کا حکم دیتا ہے، اور اُن کو برائیوں سے روکتا ہے۔

۲۔ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ۔ — وہ اُن کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتا ہے اور گندی چیزوں کو اُن کے لیے حرام ٹھیراتا ہے۔

---

[1] آیت کے آغاز میں "اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ ......" کے الفاظ میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

۴- وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ -

اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے -

آیت بتاتی ہے کہ فلاح اُن لوگوں کے لیے ہے جو اِس الرسولؐ النبی کے ساتھ ہو کر ایمان لائے، اور جنہوں نے (اُس کی جدوجہد میں) اُس کا ساتھ دیا، اور اُس کی مدد کی، اور جنہوں نے اُس نُور کی پیروی کی جو اُس الرسولؐ النبی کے ساتھ اُتارا گیا ہے۔

یعنی بات اتنی ہی مطلوب نہیں کہ "کچھ بھی ہیں لیکن تیرے محبوب کی امت میں ہیں" بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد رسولؐ کے مقصد اور مشن کی علمبرداری کی جائے، اُس کی سعی و جہد میں دل و دماغ اور جان و مال کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا جائے (اور یہ مقصد اور مشن آج بھی باقی ہے) اور اُسے اور اس کے دین کو باطل قوتوں کے خلاف غالب کرنے کی مہم میں شریک ہو کر زور لگایا جائے، اور پھر ابتدا سے لے کر انتہا تک الرسولؐ النبی کے ساتھ نازل شدہ قرآنی نورِ ہدایت کی پیروی کی جائے یہ ہے فلاح کی راہ۔

دعوت و تحریکِ نبوت کے جو تین پہلو اس آیت میں بیان کیے گئے ہیں، وہ ہر اُس فرد، ہر اس جماعت، ہر اُس حکومت اور قیادت کا لائحہ عمل ہیں جو الرسولؐ النبی کی اُمت میں داخل ہو اور اس سے وابستہ رہنا چاہے۔ درحقیقت یہ اسلام کا مختصر سا ایک چارٹر اور ایک اعلامیہ ہے۔

آج کا مبارک مرحلہ جب کہ حکومت اور اُس سے تعاون کرنے والی جماعتیں اور اُن کے پیچھے عوام کی صدہا صفیں اسلامی نظام کا قیام چاہتی ہیں، ہم سب کو اِس آیت سے خاص رہنمائی حاصل کرنی چاہیے۔

آیت کے آغاز سے پہلی بات یہ سامنے آتی ہے کہ نظام اسلامی کا نفاذ اور عملاً اس کے تقاضوں کا اجرا ایسے لیڈروں، ایسے افسروں اور ایسے کارندوں کے ذریعے ممکن ہے جو خود الرسولؐ النبی کا اتباع کرنے والے ہوں۔ ہر طرح کے الم غلم لوگ اگر نظام اسلامی کے قیام کے مقدس مشن پر لگا دیے جائیں تو سوچنے کی بالاترین سطح سے لے کر عملی اقدامات کی آخری نچلی سطح تک ہر مرحلے میں غلط عناصر مزاحمت کرتے رہیں گے اور متضاد قوتوں کو جوڑ جاڑ کے رکھنے اور سب کو راضی رکھنے کے لیے اسلام میں اتنی

کر بہونت ہو جائے گی کہ اُسے پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عناصر کے لیے حضورؐ سے فرمایا گیا کہ وَاحْذَرْهُمْ (المائدہ - ۴۹) یعنی اُن کے بارے میں محتاط رہو اور اندیشہ رکھو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نازل شدہ ہدایت کے خلاف یہ تمہیں کسی ہیر پھیر میں ڈال کر مبتلائے فتنہ کر دیں اور کہیں باہر سے مزاحمت اور اندر سے رخنہ اندازی کرنے والی قوتوں کے متعلق ہدایت دی گئی ہے کہ "وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ" (التوبہ - ۷۳ - التحریم - ۹)۔ یعنی ایسے لوگوں کے ساتھ مداہنت اور مصلحت کا معاملہ کرنے کے بجائے ان کو سختی سے دبا کے رکھا جائے۔ بلکہ صحیح مفہوم یہ ہو گا کہ اُن کی سرکوبی ہو جانی چاہیے کہ یہ سر نہ اُٹھا سکیں۔

مگر یہاں حال یہ ہے کہ اسلام کے مخالفین اور منحرفین ہر مرحلے پر، ہر معاملے میں اچھا خاصا زور دکھا رہے ہیں۔

یہ صورت اگر قائم رہی تو موجودہ دَورِ تضاد سے نکل کر ہم لوگ زیادہ خطرناک دَورِ تضاد میں داخل ہو جائیں گے۔ موجودہ دَورِ تضاد کی حقیقت تو اتنی ہے کہ معاشرے میں پچھلی ساری تاریخ کے دباؤ کے ساتھ یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ یہاں اسلام کو کارفرما ہونا چاہیے، مگر پاکستان کی مختلف حکومتوں کے کارپرداز اسلام کا نام لے لے کر اسلام کا راستہ روکتے رہے۔ اور اسلامی اصول و احکام کو علی الاعلان توڑتے رہے۔ اب جس نئے دَورِ تضاد کا خطرہ ہے اُس کے ابتدائی آثار بتاتے ہیں کہ اُوپر سے اسلام کے لیے ایک حکم جاری ہو گا، اور نیچے اُس حکم کی شکل و صورت مسخ ہو جائے گی۔ اُوپر سے ایک معاشی یا اخلاقی یا تعلیمی پالیسی بنے گی، لیکن جامۂ عمل اسے اس شکل میں پہنایا جائے گا کہ اسلام کی رُوح ماتم کرتی رہ جائے۔

بلکہ پیچیدہ مسئلہ تو یہ ہے کہ سوچنے کی بالائی سطح پر بھی کیا یکسوئی کارفرما ہو سکے گی یا جنرل محمد ضیاء الحق اور اُن کے مشیران و رفقاء اور اُن کے وزارتی معاونین سب سے افکار و نظریات کا ایک دھارا نہیں ہو گی بلکہ آبشار سے گرنے والی جوئے کہستان کی طرح الگ الگ دھارے مختلف سمتوں میں بہتے رہیں گے۔ جو ذرا آگے جا کر بھی آپس میں نہ ملیں۔

سوچنے کی بالائی سطح ہو یا عمل کرنے کی نچلی سطحیں، اشد ضروری ہے کہ تضادات کی روک تھام کی جائے۔ یہ نہ ہو کہ ایک شعبے کے اسلامی احکام اور دوسرے شعبے کے اسلامی احکام آپس میں متناقض

ہوں ، یا ایک ہی حکم کی عملی تعبیرات مختلف افسران اور کارکنان مختلف شکلوں میں کرتے رہیں ، یا مثلاً اسلامی نظام تعلیم کی انتظامی باگ ڈور کسی قادیانی کے ہاتھ میں ہو اور اس کی نصابی تدوین کسی مارکسی کے سپرد ، اور اس کی تدریسی قیادت کسی سیکولر ذہن کے مفاد پرست اور طالع آزما کے قابو میں۔

اِس طرح کے تضادات سے بچنے کے لیے ویسی مردم شناسی کی ضرورت ہے جیسی حضرت عمرؓ فاروق کو حاصل تھی۔ جسے کام کا آدمی پایا اُسے مناسب ذمہ داری سونپ دی ، اور جسے مناسب نہیں سمجھا اُسے یا تو کام سپرد ہی نہیں کیا ، یا اگر تجربے سے اس کی کوئی کمزوری سامنے آگئی تو اکھیڑ بھی دیا۔

آج کی ریاستوں میں یوں بھی ہر نظریے کے لوگ اس امر پر نظر رکھتے ہیں کہ کہاں کس خیال اور کردار کا آدمی بیٹھا ہے ، اور غلط قسم کے افراد پر کڑی نگاہ رکھی جاتی ہے۔ ان کی ہر سفارش ، ہر رپورٹ ، ہر نوٹ اور ہر تجویز کو کڑی تنقید سے دیکھا جاتا ہے کہ اس کی زد کہاں کہاں پڑے گی۔

میں تو یوں سوچتا ہوں کہ سربراہ مملکت کے سامنے جنگی نقشے کی طرح ایسا خفیہ تفصیلی نقشہ ہونا چاہیے جس کو ایک نظر دیکھ کر وہ جان سکے کہ کہاں کہاں غلط ذہن یا کردار کے لوگ بیٹھے ہیں — کس وزارت میں ، کس دفتر میں ، کس ادارے میں ، کس اسکول میں ، کس تھانے میں ، کس ریڈیو اسٹیشن اور کس ٹیلی ویژن اسٹیشن میں اُن کا کوئی اڈا ہے (اور ایسے اڈوں کو سُرخ نشان سے نمایاں کیا جائے) — اور پھر اُن کے دائرۂ کار سے متعلق جب کوئی اہم بات سامنے آئے ، اسلام کے خلاف یا پبلک کے لیے کوئی ضرر رساں صورت واقع ہو تو وہ بطور خاص خطرے کے مقامات کا نوٹس لیں۔ جہاں غلط عناصر کی قوت مجتمع ہو اُسے بکھیر دیں ، جو شخص کسی واضح غلط حرکت کے ارتکاب کی جسارت کرے اُسے گرفت میں لیا جائے ، اور اسلام کے مفاد کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہوئے اس کی خاطر بڑے سے بڑے قابل اور مقرب شخص کے ساتھ کوئی رعایت نہ برتی جائے۔

ورنہ اگر مزاحم عناصر بے محابا اپنا کام کرتے رہیں تو اُن کی سرگرمیاں اسلامی نظام کے اجراء کی پوری اسکیم کو خراب کر سکتی ہیں — اور کر رہی ہیں۔

اب آیئے محولہ بالا آیت سے اقتباس نور کرتے ہوئے اُس لائحہ عمل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو مسلم قیادتوں

اور حکومتوں کے لیے تجویز کیا گیا ہے۔

پہلی چیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ یعنی نیکی کی دعوت اور بدی کی مناہی۔

واضح رہے کہ نیکی اور بدی اسلام میں کوئی گول مول تصورات نہیں ہیں کہ آپ جن چیزوں کو چاہیں نیکی اور جن کو چاہیں بدی قرار دے لیں۔ بنیادی طور پر معروفات وہ ہیں جن کو قرآن و سنّت کے منصوص اوامر و نواہی میں واضح اور متعین کر دیا گیا ہے۔ درجۂ ثانی پر وہ معروفات و منکرات آتے ہیں جنہیں معروف و منکر کے قرآنی ضوابط کی روشنی میں، اُن کے مقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہادی طور پر نئے حالات و مسائل کا سامنا کرتے ہوئے اصحاب علم و حکمت متعین کریں۔

معروف و منکر کا گویا ایک متعین ضابطہ ہے جس کے لیے حکومت و اختیار نہ ہونے کی صورت میں محض دعوت دی جاتی ہے، حکومت و اختیار کی صورت میں باقاعدہ امر و نہی سے کام لیا جاتا ہے۔ یعنی امر کو اختیار اور جاری کرنے کے لیے مثبت حکم دیا جاتا ہے۔ اور منہیات کے متعلق قوت سے انسداد اور امتناع کی تدابیر کی جاتی ہیں۔

معروف کو قائم کرنے کے لیے مثبت اوامر کے دائرے میں اوّلین مقام اقامتِ صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ کا ہے۔ اور منہیات میں صریح منکرات و فواحش اور کبائر اور مظالم کا انسداد ضروری ہے — تعمیری و انسدادی دونوں قسم کے کام شرعی قوانین کے اجراء کے متقاضی ہیں۔

الرسولُ النبی کے لائحہ عمل کا دوسرا جزو پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی چیزوں کو حرام ٹھیرانا ہے۔ یہ شعبۂ کار بھی دراصل امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہی کا ایک شعبہ ہے۔ خدائی ہدایت کی روشنی سے جب لوگ محروم ہو جاتے ہیں تو کتنی حلال چیزوں کو حرام اور حرام چیزوں کو حلال ٹھیرا لیتے ہیں۔ یعنی حلال و حرام دونوں گڈمڈ ہو جاتے ہیں۔ لوگوں میں یہ تمیز باقی نہیں رہتی کہ وہ پاکیزہ اور خبیث چیزوں کو الگ الگ متعین کر سکیں بلکہ وہ اپنے من گھڑت نظریات اور عقیدوں اور خواہشوں اور جذباتی کیفیات اور گروہی تعصبات کے تحت حلال و حرام کا اپنا ایک ضابطہ بنا لیتے ہیں۔ اور ہرچند کہ ضابطۂ حلال و حرام کا اصطلاحی اطلاق زیادہ تر کھانے پینے کی چیزوں پر ہوتا ہے، مگر فی الحقیقت شریعت الٰہیہ خیالات و افکار اور رسوم و شعائر اور عادات و اطوار اور کلام و نگاہ میں بھی حلال و حرام کی تقسیم کرتی ہے۔

کسی بھی حکومت و قیادت کا فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر اقتدار معاشرے میں اسلام کے اُسی ضابطہ حلال و حرام کو بہ قوت نافذ کرے جس کے رُو سے پاکیزہ چیزوں کو حلال اور گندی[1] چیزوں کو حرام ٹھیرایا گیا ہے اور اسی کسوٹی پر آئندہ کے لیے اجتہادی فیصلے کیے جاسکتے ہیں۔

الرسول النبی کے اعلامیہ کا تیسرا بڑا جزو یہ ہے کہ وہ لوگوں پر جو بوجھ لدے اور جو زنجیریں ان کو جکڑے ہوئے ہیں، اُن سے انہیں نجات دلانا ایک اہم مقصدِ بعثت اور مدعائے ہدایت ہے۔

اگر باقی سارے قرآن اور تلقینات و معمولات نبوت کو الگ رکھ کے اِصر و اغلٰل کا مفہوم متعین کیا جائے تو ایک اشتراکیت زدہ ذہن اس ترکیب سے ایک معنی لے گا، مغربی لبرلزم کا مسحور دوسرے معنی نکالے گا۔ اور اسی طرح دوسرے مختلف نظریات کے لوگ اپنے اپنے من مانے معنی اخذ کر سکتے ہیں۔ مگر اِصر و اغلٰل کا صرف وہی ایک مفہوم صحیح و معتبر ہے جو پورے قرآن سے ہم آہنگ ہو اور خاص طور پر زیرِ غور آیت کے دوسرے اجزاء کے مطابق۔

انسانیت کے لیے قرآنی نقطۂ نظر سے بوجھ اور زنجیریں وہ تمام چیزیں ہیں جو خدا و رسولؐ کی شریعت سے سند لیے بغیر انسانوں نے ایجاد کیے ہوں اور اپنے اوپر یا دوسروں کے اُوپر مسلّط کر دیے ہوں۔ تمام وہ نظریات، تمام عقیدے، تمام رسومات، تمام تقریبات، تمام معاشرتی ضابطے، تمام سیاسی قاعدے، تمام معاشی طور طریقے، تمام اخلاقی تصورات، نیکی کے تمام معیارات اور ترقی کے تمام وہ خطوط جو خدا کی تعلیم اور رسولؐ کی سنّت کے دائرے میں نہ آتے ہوں وہ سب اِصر و اغلٰل ہیں۔ ایسے تمام اِصر و اغلٰل کو ختم کر دینا اور کسی قوم کے تمام افراد کو اُن سے نجات دلا دینا یہ ہر اُس حکومت و قیادت کا کام ہے جو خدا و رسولؐ اور اسلام سے اپنے آپ کو نسبت دیتی ہو۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ہر دائرے اور ہر شعبے میں

---

[1] بعض ماکولات و مشروبات بھی، اور بعض معمولات و مراسمات بھی ظاہری صورت میں دلکش معلوم ہوتے ہیں، مگر اُن کے نتائج و اثرات اکثر فرد، اس کے خاندان، اس کے احباب، اس کی اولاد، اور پورے معاشرے کے لیے دینی و اخلاقی لحاظ سے خصوصاً اور دوسری صورتوں میں عموماً مضر ثابت ہوتے ہیں، جیسے شراب اور زنا کا معاملہ ہے۔

ایسے اِصر و اغلال کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ختم کرے جو انسانوں پر اندر کی طاقتوں یا باہر کی طاقتوں نے لاد دیے ہوں۔ ایسے اِصر و اغلال طریقِ حکمرانی میں، معاشی نظام میں، تعلیم میں بیورو کریسی میں، انتظامیہ میں، خاندانی زندگی میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ اسلام کی پابندیوں کا ہلکا پھلکا جوا لوگوں سے اٹھوانے کے لیے ضروری ہے کہ جاہلیت کے بھاری جوئے اُن کے کندھوں سے اُتار دیے جائیں۔

تعزیراتِ اسلام

جناب قاضی بشیر احمد صاحب ۔ باغ ۔ آزاد کشمیر

(۱۵)

دفعہ ۱۴۔ مجبور مخیر۔

ا ۔ اگر جابر نے مجبور کو متعدد حسی حرام امور میں سے کسی ایک کے ارتکاب پر اکراہِ تام کیا ہو تو ایسے شخص کو مجبور مخیر کہا جائے گا۔

ب ۔ مجبور مخیر کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ مباح اور مرخص (جن افعال کے ارتکاب کی رخصت ہو) افعال کی موجودگی میں، فعل حرام کو اختیار نہ کرے ۔ اگر اُس نے فعلِ حرام کا ارتکاب کر لیا تو اس کو اسی جرم کی مناسب سزا دی جائے گی[1]۔

تشریح:۔ اکراہ کے احکام کی تینوں اقسام کا ذکر دفعہ ۱۳ (ا) کی تشریح (ا) میں ہو چکا ہے کہ اکراہ کی وجہ سے بعض افعال میں اباحت اور بعض میں رخصت پیدا ہو جاتی ہے اور بعض اسی طرح حرام ہی رہتے ہیں ۔ یعنی ان کے ارتکاب پر آخرت میں فاعل پر عذاب ہوگا ۔ لہٰذا قانونِ ضرورت کے تحت مجبور کو وہ فعل اختیار کرنا ضروری ہوگا ۔ جس سے اُس کی ضرورت پوری ہو جائے اس حد تک اس سے مواخذہ نہ ہوگا ۔ اگر وہ ضرورت سے تجاوز کرے گا تو اسی جرم کی مناسبت سے سزا کا مستحق ہوگا ۔ لہٰذا مباح، مرخص اور حرام افعال میں سے ضرورت، مباح اور مرخص افعال سے

---

[1] البدائع جلد ۷، ص ۱۸۔

پوری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا تیسرا فعل بدستور حرام ہی رہے گا۔ مثلاً:

۱۔ اکلِ میتہ اور قتلِ مسلم میں سے کسی ایک پر جبر کی صورت میں مجبور کو اکلِ میتہ کا ارتکاب کرنا ضروری ہوگا۔ اس حد تک اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ بجائے اکلِ میتہ کے قتل کا ارتکاب کرے تو اس صورت میں اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی ضرورت تو اکلِ میتہ سے پوری ہو سکتی تھی مگر اس نے قتل کا ارتکاب کر کے ضرورت سے تجاوز کیا ہے[۱]

۲۔ یا مثلاً اکلِ میتہ، قطعِ ید، مسلمانوں کو گالی دینا، اور زنا میں سے کسی ایک جرم کے ارتکاب پر جبر کیا ہو تو مجبور کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اکلِ میتہ کے فعل کا ارتکاب کرے کیونکہ اکلِ میتہ جبر سے مباح ہو جاتا ہے۔ باقی افعال میں اکراہ سے نہ اباحت آتی ہے اور نہ ہی ان میں رخصت پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کا ارتکاب ممنوع ہوگا[۲]

فصل ہشتم

قتل کی دوسری قسم ——— قتل شبہ عمد

دفعہ ۱۵۔ قتل شبہ عمد کی تعریف۔

الف۔ قتلِ شبہ عمد ——— سے مراد ایسا قتل ہے جو عمداً ایسی چیز سے کیا گیا ہو جو نہ ہتھیار ہو اور نہ ہی ہتھیار کے قائم مقام ہو[۳]

ب۔ ہتھیار سے مراد ——— ایسا آلہ ہے جو جسم کو چیر پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر سکتا ہو[۴]

ج۔ شبہ عمد کا اعتبار صرف قتلِ نفس میں ہوگا۔ ضربات اور جراحات میں نہ ہوگا۔ ان کے اندر شبہ عمد بھی شمار ہوگا[۵]

---

[۱] البدائع جلد ۷، ص ۱۸۱ — [۲] ایضاً

[۳] ہدایۃ جلد ۴، کتاب الجنایات۔ ص ۵۶۰

[۴] المحیط البرہانی بحوالہ کتاب الاختیار مترجم ص ۱۸۰۔ مطبوعہ لاہور۔ [۵] ہدایۃ جلد ۴ ص ۵۶۲

تشابہ ۱

ا۔ شبہ عمد کا ثبوت۔

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک شبہ عمد قتل کی مستقل قسم نہیں ہے بلکہ یہ قتل عمد ہی ہے[۱]

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک شبہ عمد قتل کی ایک الگ قسم ہے۔ چنانچہ ایک حدیث کی روایت کرتے ہوئے ابوداؤد وحجاج فرماتے ہیں کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔" قَتِیْلُ السَّوْطِ وَالْعَصَا شِبْہُ الْعَمَدِ"[۲]

اس حدیث سے واضح ہے کہ کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل شبہ عمد ہے۔ نیز مندرجہ ذیل آثار سے شبہ عمد کے ثبوت کی مزید وضاحت ہوجاتی ہے۔

ا۔ عقبہ بن اوس المسدوسی ایک صحابی سے نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن خطبہ دیا اور اس میں فرمایا " الا ان قتیل خطاء العمد بالسوط والعصا والحجر فیہ الدیۃ مُغَلَّظَۃٌ مائۃ من الابل منہا اربعون خلفۃ فی بطونہا اولادُھا"

اس روایت میں کوڑے، لاٹھی اور پتھر کے ذریعے قتل کو خطاء عمد یعنی شبہ عمد کہا گیا ہے۔ جس کی سزا دیتِ مغلظہ ہے۔ (بشرطیکہ دیت کی ادائیگی اونٹوں کی صورت میں ہو)

۲۔ مغیرہ بن شعبہ کی روایت میں ہے کہ " ایک عورت نے دوسری کو خیمہ کی لکڑی ماری جس پر وہ قتل ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتلہ کی عاقلہ پر دیت لازم کی تھی اور عورت کے جنین کے بدلے تاوان عاید کیا[۳]

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں کے درمیان لڑائی ہوگئی تھی۔ ایک نے دوسری کو پتھر مار کر قتل کر دیا تھا اور اس کے پیٹ میں جو کچھ تھا وہ بھی ختم ہوگیا تھا تو آپ نے قاتلہ کی عاقلہ پر دیت لازم کی اور جنین کے بدلے میں غلام یا لونڈی کا تاوان لازم کیا۔

---

[۱] المغنی جلد ۹ ص ۳۲۷۔

[۲] احکام القرآن للجصاص جلد ۲ ص ۲۲۹ - ۲۳۰ - [۳] ایضاً

[۴] ایضاً

پوری روایت پہلے آچکی ہے)۔

دوسری روایت میں لکڑی کے ذریعے قتل کا ذکر ہے جب کہ پہلی اور تیسری میں پتھر سے بھی قتل کا ذکر ہے۔ بہرکیف یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ لاٹھی اور پتھر کے ذریعے قتل شبہ عمد ہے۔

۴۔ حضرت عاصمؒ حضرت علیؓ کی سند سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے کہا " شبه العمد بالعصا والحجر الثقيل وليس فيهما قود " [۱] یعنی شبہ عمد وہ قتل ہے جو لاٹھی اور بھاری پتھر کے ذریعہ ہو اور ایسی صورت میں قصاص نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے دفعہ ۴ تشریح ۲۔

تشریح ۱۔ ب۔ شبہ عمد کی مذکورہ تعریف امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہے جب کہ احنافؒ میں سے صاحبین یعنی امام قاضی ابویوسفؒ اور امام محمدؒ کے علاوہ امام شافعیؒ کے نزدیک شبہ عمد کی تعریف یہ ہے کہ قتل شبہ عمد سے مراد وہ قتل ہے جو ارادۃً ایسی چیز سے کیا جائے جس سے غالباً (یعنی بالعموم) قتل نہیں ہوتا۔[۲]

اس تعریف کا حاصل یہ ہے کہ اگر قتل کسی ایسی چیز سے واقع ہو جس سے غالباً آدمی قتل ہوجاتا ہو، تو یہ قتلِ عمد ہوگا جس کی سزا قصاص ہے۔ اگر آلہ قتل ایسی چیز ہو جس سے غالباً قتل کا وقوع نہیں ہوتا تو یہ قتل شبہ عمد ہوگا۔ اس تعریف میں آلہ قتل کے لیے دھاری دار یعنی قطع کی صفت والا ہونا، ضروری قرار نہیں دیا گیا، جب کہ امام ابوحنیفہؒ کی قتلِ عمد کی تعریف میں یہ لحاظ کیا گیا ہے۔ تعریفات کے اس اختلاف کی وجہ سے قتل اور اس کے نتیجہ میں اختلاف کا پایا جانا ایک لازمی امر ہے۔ مندرجہ ذیل قتل کی چند مشہور صورتیں ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ اگر معمولی لاٹھی یا معمولی پتھر وغیرہ سے قتل واقع ہوجائے تو سب کا اتفاق ہے کہ قتل شبہ عمد ہوگا بشرطیکہ اس طرح کے آلہ قتل کو مسلسل استعمال نہ کیا گیا ہو بلکہ ایک دو ضربات پر ہی قتل واقع ہوگیا ہو۔[۳]

---

[۱] احکام القرآن جصاص۔ جلد ۲ ص ۲۲۹ - ۲۳۰

[۲] ہدایہ جلد ۴ ص ۵۶۰۔

[۳] البدائع جلد ۷ ص ۲۳۴۔

اگر آلہ کو مسلسل استعمال کیا گیا ہو تو احناف کے نزدیک اس صورت میں بھی قتل شبہ عمد ہوگا کیونکہ آلۂ قتل ایسا نہیں ہے جس سے غالباً قتل واقع ہو۔ البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں قتلِ عمد ہوگا۔ وہ یہ دلیل بیان فرماتے ہیں کہ آلہ قتل کو مسلسل استعمال کرنا دلیل اس بات کی ہے کہ قاتل کا مقصد قتل کرنا تھا۔ لہٰذا ایسی صورت میں یہ قتل عمد ہوگا۔[1]

احناف فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "العمد قود" یعنی عمداً قتل سے قصاص واجب ہوگا۔[2]

اس حدیث میں "عمد" کو مطلق بیان کیا گیا ہے جس سے مراد عمد کا فردِ کامل مراد ہوگا۔ یعنی ایسا پختہ ارادہ جس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ نیز یہ کہ قصاص، ایک انتہائی سزا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ انتہائی ارادے یعنی عمد کے کامل طور پر پائے جانے کی صورت میں یہ سزا صادر کی جائے۔ لہٰذا آلۂ صغیرہ کے مسلسل استعمال سے اس شبہ کو ساقط نہیں کیا جا سکتا کہ مارنے والے کی نیت تادیب یعنی محض ادب سکھانا تھی اور قتل کرنا نہ تھی۔ کیونکہ اگر صرف قتل کرنا ہی اس کا مقصد ہوتا تو یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ایک دو ضربات مؤثر طور پر پہنچا کر قتل کر دیتا۔ باقی ضربات کی نوبت ہی نہ آتی۔ اس شبہ کے ہوتے ہوئے احناف اس صورت میں قصاص کی سزا کے قائل نہیں ہیں۔[3]

۲۔ اگر قتل کسی بھاری چیز سے کیا گیا ہو۔ مثلاً بڑی لاٹھی یا بڑے پتھر وغیرہ سے تو امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قتل عمد ہوگا۔ اور یہی احنافؒ میں سے صاحبینؒ کا موقف بھی ہے۔

یہ حضرات بطور دلیل فرماتے ہیں کہ بھاری چیز سے غالباً (یعنی بالعموم) قتل واقع ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا استعمال صرف قتل کرنے کی صورت میں ہی ہوتا ہے۔[4] جیسا کہ تلوار کو سوائے قتل کرنے کی نیت کے استعمال نہیں کیا جاتا اور اس کے ذریعے قتل کرنے کو بالاتفاق عمداً قتل کہا جائے گا اسی طرح بھاری چیز سے قتل بھی عمداً قتل ہوگا۔

---

[1] البدائع جلد، ص ۲۳۴ [2] ایضاً

[3] البدائع جلد، ص ۲۳۴

[4] ایضاً

امام ابو حنیفہؒ بھاری چیز سے قتل کو شبہِ عمد میں شمار کرتے ہیں جس سے قصاص واجب نہ ہوگا ان کی دلیل مذکورہ حدیث "العمد قود" ہے۔ اور بھاری چیز کی بناوٹ عرفاً و عادتاً آلۂ قتل کے طور پر نہیں ہوتی کہ اس کے استعمال کو، عمد کی دلیل متصور کیا جائے۔ بخلاف تلوار کے کہ اس کی ساخت ہی قتل کرنے کی نیت سے ہوتی ہے اس لیے اس کے استعمال کو "عمد" کی دلیل متصور کیا جائے گا۔

علاوہ ازیں عبد اللہؓ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "قتیل خطاء العمد، قتیل السوط والعصا"[1]

اس حدیث کے الفاظ کم و بیش اوپر دوسری روایات میں بھی آچکے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کوڑے اور لاٹھی کے ذریعے قتل پر، قتل شبہِ عمد ہوگا۔ اس میں خفیف، ثقیل کی کوئی تفصیل نہیں ہے بلکہ "سوط" اور "عصا" کو مطلق بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا لاٹھی اور کوڑا خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے ذریعہ قتل، شبہِ عمد ہوگا۔ البتہ امام موصوفؒ کے نزدیک ثقیل چیز اگر دھاری دار ہو اور یہی طرف مقتول کو لگی ہو تو اس صورت میں ثقیل چیز سے قتل بھی موجب قصاص ہوگا۔[2]

نیز یہ کہ امام صاحب کے نزدیک شبہِ عمد کی شرط یہ ہے کہ مارنے والے کی نیت قتل کی نہ ہو، بلکہ تادیب کی ہو۔ اور اگر فی الواقع اس کی نیت قتل کی ہو تو ثقیل چیز سے قتل بھی عمداً قتل شمار ہوگا اور قصاص واجب ہوگا۔[3]

۳۔ اگر قاتل نے کسی چیز سے گلا گھونٹ کر قتل کا ارتکاب کیا ہو تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قتل شبہِ عمد ہوگا۔ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اگر قاتل نے مقتول کی موت تک مسلسل گلا دبائے رکھا تو یہ قتل عمد ہوگا۔ لیکن اگر اس نے موت سے قبل گلا دبانا ترک کر دیا تھا مگر اس کے باوجود وہ مر گیا تو دیکھا جائے گا کہ اگر وہ اتنی دیر کے بعد مرا ہو جتنی دیر کہ اگر وہ گلا دبائے رکھتا تو غالباً آدمی

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ ص ۲۲۹ - ۲۳۰ - [2] الدر المختار جلد ۵ ص ۳۶۰

[3] یشترط عند ابی حنیفۃ الی فی شبہ العمد ان یقصد التادیب دون اتلاف رد المحتار جلد ۵ ص ۳۵۱ -

مر جاتا، تو یہ قتلِ عمد ہو گا، ورنہ شبہ عمد[1]۔

گلا دبا کر قتل کرنے کے لیے کوئی طریقہ مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے خواہ ہاتھ سے یہ کام لے یا کسی ڈوری وغیرہ سے[2]۔

امام شافعیؒ، امام احمدؒ، نخعیؒ اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا بھی اس مسئلہ میں وہی موقف ہے جو صاحبینؒ کا ہے[3]۔

۴۔ خصیین مَسل کر قتل کرنے میں بھی مذکورہ بالا تفصیل کا لحاظ کیا جائے گا[4]۔

۵۔ قاتل نے اگر کسی کو پانی میں غرق کر کے قتل کیا ہو، تو دیکھا جائے گا کہ اگر پانی اتنا زیادہ ہو کہ اس سے نجات حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو احناف میں سے قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ قتل عمد ہو گا۔ اور قصاص واجب ہو گا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ شبہ عمد ہو گا۔ اور اگر پانی قلیل ہو جس میں کہ غالباً آدمی ڈوب کر نہیں مرتا۔ یا پانی تو زیادہ ہو مگر جس آدمی کو پانی میں ڈالا گیا ہے، وہ اچھی طرح تیرنا جانتا ہو کہ اس سے باہر نکل سکتا ہو۔ مگر اس کے باوجود وہ ڈوب کر مر گیا تو یہ قتل شبہ عمد ہو گا[5]۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا موقف بھی صاحبین کی تائید کرتا ہے[6]۔

۶۔ کسی چھت یا پہاڑی وغیرہ سے نیچے گرا کر قتل کرنے کی صورت میں بھی یہی اختلاف ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ قتل شبہ عمد ہو گا۔ اور صاحبین کے نزدیک عمد ہو گا۔ بشرطیکہ جگہ اتنی اونچی ہو۔ جہاں سے گر کر غالباً آدمی مر جاتا۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا موقف بھی یہی ہے[7]۔

---

[1] یشترط عند ابی حنیفۃؒ فی شبہ العمد ان یقصد التادیب دون اتلاف۔ ردالمحتار جلد ۵۔ ص ۳۵۱۔

[2] ایضاً

[3] المغنی ج ۹ ص ۳۲۵۔

[4] المغنی والشرح الکبیر جلد ۹ ص ۳۲۷

[5] ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۶۰

[6] المغنی والشرح الکبیر جلد ۹ ص ۳۲۶

[7] المغنی مع الشرح۔ جلد ۹۔ ص ۳۲۵ والبدائع جلد ۷، ص ۲۳۴

۷۔ زہر بھی ذریعہ قتل ہے۔ زہر سے قتل کی متعدد صورتیں ہیں:۔

۱۔ جبراً زہر نگلوایا گیا جس سے وہ مرگیا۔

۲۔ دوسرے کو زہر اُس کے ہاتھ میں دے کر پھر اُس کو پینے پر مجبور کیا گیا اور وہ پی کر مرگیا۔

۳۔ کھانے پینے کی کسی چیز میں زہر ملا کر دھوکہ سے دیا جائے اور کوئی شخص اُسے کھا کر یا پی کر مرجائے۔

امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک زہر خورانی کے پہلے دو طریقوں سے قتل کی صورت میں قاتل پر دیت واجب ہوگی۔ کیونکہ قتل ایسے آلہ سے ہوا ہے جو چیر پھاڑ نہیں سکتا۔

احناف میں سے امام قاضی ابویوسف رح اور امام محمد رح کے بارے میں بعض نے یہ نقل کیا ہے کہ اُن کے نزدیک زہر اگر اتنی مقدار میں ہو کہ جس سے غالباً آدمی قتل ہو جاتا ہو تو یہ قتل عمد ہوگا۔ ورنہ شبہ عمد۔ اور بعض نے کہا کہ سب کے نزدیک شبہ عمد ہوگا۔

علامہ ابن عابد بن شامی رحمہ اللہ نے ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد ترجیح اس بات کو دی کہ مذکورہ دونوں صورتوں میں قصاص واجب ہوگا۔ کیونکہ زہر کا وہی عمل ہوتا ہے جو آگ، چھری، چاقو، وغیرہ کا ہوتا ہے۔ اور ان سے قتل پر قصاص واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں بھی قصاص واجب ہوگا۔[۱] امام شافعی رح بھی قصاص کے قائل ہیں[۲]۔

احناف کے نزدیک تیسری صورت میں دھوکہ دینے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا بلکہ اُس کو تعزیری سزا دی جائے گی۔ کیونکہ زہر کھانے والے نے زہر اپنے اختیار سے کھایا ہے[۳]۔

---

[۱] لو قتل بالسم قیل یجب القصاص لانہ یعمل عمل النار والسکین ورجحہ السمرقندی رح ای اذا اوجرہ او اکرھہ علی شربہ کما لا یخفیٰ ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۵۹۔

[۲] البدائع جلد ۷ ص ۲۳۵۔

[۳] البحر جلد ۸ ص ۳۳۶۔ ردالمحتار جلد ۵ ص ۳۵۹۔

امام شافعیؒ کے دو قول ہیں۔ ایک قصاص کا اور دوسرا عدم قصاص کا[۱]۔
امام احمدؒ کے نزدیک اگر زہر اتنی مقدار کا دیا گیا ہو جس سے غالباً آدمی مرجاتا ہو تو قصاص واجب ہوگا[۲]۔

ان کی دلیل ابوداؤد کی مشہور حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ:
"خیبر میں ایک یہودی عورت نے بکری کا زہر آلود گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور ہدیہ کھانے کے لیے پیش کیا۔ چنانچہ آپ نے وہ گوشت کھایا اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت نے بھی کھایا، تو بشر بن البراء صحابی جو کھانے میں شریک تھے، زہر آلود کھانا کھانے سے فوت ہوگئے۔ جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ قتل کی گئی" یہ روایت ابوسلمہؓ سے مروی ہے[۳]۔

اس روایت کے پیش نظر امام احمدؒ اس صورت میں قصاص کے قائل ہیں۔ لیکن ابوداؤد ہی کی دوسری روایت جو حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا اور کوئی سزا نہ دی تھی۔ ان کے الفاظ یہ ہیں "فعفا عنها رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یعاقبها"[۴]

روایت کے اس اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور احناف "قصاص جیسی سزا کے نفاذ کے لیے اس طرح کے شبہ کو گوارا نہیں کرتے۔ اگرچہ روایت کے اختلاف کو ختم کرنے کے لیے متعدد توجیہات محدثین نے بیان فرمائی ہیں۔ ایک توجیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو معاف کر دیا تھا۔ اس لیے کہ آپؐ اپنی ذات کے بدلہ میں انتقام لینا پسند نہیں فرماتے تھے لیکن اس معافی کے بعد جب بشر بن البراء صحابی زہریلا لقمہ کھانے کی وجہ سے انتقال کر گئے تو اب اس عورت

---

[۱] المغنی جلد ۹ ص ۳۲۸ [۲] ایضاً
[۳] بحوالہ المغنی والشرح الکبیر جلد ۹ ص ۳۲۸۔ مکمل روایت دیکھیے ابوداؤد۔ باب فیمن سقی رجلا سماء جلد ۲ ص ۲۸۰ مطبوعہ رحیمیہ دیوبند۔
[۴] ایضاً۔

کو اس کے بدلے میں قصاص میں قتل کیا گیا۔ لہٰذا روایت کا اختلاف جاتا رہا۔ کیونکہ حضرت جابرؓ کی روایت کا تعلق پہلے حصہ سے ہے۔ اور ابو سلمہؓ کی روایت کا تعلق دوسرے حصہ سے ہے۔[1]"

ایک تجویز

موجودہ دور میں مشروبات اور ماکولات کے اندر زہر ملا کر دوسرے کو ہلاک کرنے کے واقعات بکثرت ہیں جن کی روک تھام کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا اگر حاکم مجاز اس جرم کی سزا قتل بطور تعزیر متعین کرے تو یہ مقتضائے حال کے مطابق ہوگا۔ اور ائمہ کے اختلاف سے بچنے کی بھی ایک صورت پیدا ہو جائے گی کیونکہ امام احمدؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ قصاص کے قائل ہیں۔ اور احناف تعزیری سزا کے قائل ہیں۔ اور تعزیری سزا کا دائرہ معمولی سزا سے لے کر قتل کرنے تک وسیع ہے۔ چنانچہ اس تجویز کی تائید کے لیے ملاحظہ ہو

قوله وذكر السائحاني ان شيخه الخ .... نقلاً عن الحموي من سقى رجلا سما فمات قال في جنايات البدائع يجب القصاص لانه يعمل عمل النار والسكين قال السمرقندي في شرحه والعمل على هذه الرواية في زماننا لانه ساع في الارض بالفساد فيقتل دفعاً لشره[2]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دفع شر کے طور پر زہر پلانے والے کو قتل کیا جا سکتا ہے اور اس قسم کے مناسب یہی سزا ہے۔ (باقی)

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۷ ص ۲۱۵ ۔ مکتبہ امدادیہ ۔ ملتان ۔

[2] تعزیرات الرافعی علی حاشیۃ ابن عابدین جلد ۲ ۔ ص ۲۲۳ ۔ فصل فیما یوجب العفو د مالا یوجبہ ۔

رحمت للعالمین

جناب سید اسعد گیلانی صاحب

پوری انسانیت کی طرف آخری نبی کی حیثیت سے حضورؐ اکرم کی شانِ رسالت کے بے شمار پہلو ہیں ان میں سے ہر پہلو حضورؐ کی نبوت و رسالت پر ناطق گواہی دیتا ہے۔

حضورؐ اکرم کی شان کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہیں ایک جامع علم کی بنیاد پر رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ وہ جامع علم جو انسان کے تجسس اور اس کی تعلیم و تربیت کا جدید ترین تقاضوں کے مطابق شافی جواب مہیا کرتا ہے۔ انسان کی ذہنی الجھنیں، اس کے نفسیاتی تقاضے، آفاق و انفس میں اس کی تگ و دو کے لیے خطوط کا تعین اور اس کی قیامت تک ذہنی اور فکری تگ و تاز اور جولانیوں کا علمی اور فطری جواب فراہم کر دیا گیا۔ اسلام چند غیر عقلی اور منجمد عقائد انسان کے سر نہیں منڈھتا بلکہ متحرک اور فعال اصول اس کے سامنے رکھتا ہے جو بدلتی ہوئی ضروریات کے مطابق اس کی جامع رہنمائی کرتے رہتے ہیں۔ حضورؐ اکرم درحقیقت جامع علم کی بنیاد پر رسول اور ہادی ہیں اور ان کا علم ہٹ دھرمی اور تعصب کو چھوڑ کر بے لاگ سوچ بچار کے لیے واضح خطوط ہدایت مہیا کرتا ہے۔ وہ علم معقول اور ٹھوس استدلال کے ذریعے ان امور کی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے جن تک انسان کی رسائی اپنے دنیوی جامے میں رہتے ہوئے ممکن نہیں ہے۔ بس آنکھوں سے دکھا دینے کے سوا باقی ساری عقلی ضروریات اسلام نے فراہم کر دی ہیں۔

حضورؐ اکرم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ دعوتِ دین کے لیے اُن کا سینہ اس طرح کھلا ہوا ہے کہ اس میں کوئی رکاوٹ اور تنگی موجود نہیں ہے۔ دعوت پیش کرنے میں وہ قادر الکلام خطیب ہیں۔

اور ناخواندہ لوگوں تک دعوت پہنچانے میں بھی ان کا اندازِ تفہیم و تعلیم حیرت انگیز طور پر سریع الاثر ہے۔ کامران کے سردار اور منکرینِ حق کے سرخیل بھی اگر بحث و مناظرے، تحریص و ترغیب یا افہام و تفہیم کے لیے آتے ہیں تو حضورؐ کی چند باتیں سننے کے بعد ہی اپنی ذہنی اور قلبی کیفیت میں حیرت انگیز تغیّر محسوس کرنے لگتے ہیں اور پھر اگر اعترافِ حق ان کے لیے ممکن اور مقدّر نہ ہوتا تو وہ اپنی خیریت راہ فرار میں ہی دیکھتے ہیں۔ کبھی حضورؐ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں، کبھی بات ختم کرنے کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں اور کبھی خاموشی سے اُٹھ کر رخصت ہو جاتے اور اپنے اندر قلبی اور روحانی خلا کا برملا اعتراف کر لیتے ہیں۔ یہ وہ زبردست قوتِ تکلم و تخاطب و تفہیم ہے جو حضورؐ کو عطا کی گئی ہے اور جس کا سامنا کرنا بڑے بڑے زبان آور اور لسّان لوگوں کے لیے بھی ممکن نہیں ہوتا۔ حضورؐ کو اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ ان کی بات کوئی دوسرا سمجھائے۔ حضورؐ اپنی دعوت کے ایسے جامع اور خود کفیل مبلغ ہیں کہ جس سے بڑھ کر اس دعوت کو پیش کرنے کے کسی دوسرے سلیقے، اہتمام اور جامعیت کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

حضورؐ اکرم کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ کی دعوت نے معاشرے کے بوجھوں کو ہلکا کیا اور تمام دیرینہ رسوم و قیود کی جڑیں کاٹ کر انسانی معاشرے کو آسان سہل اور سادہ زندگی گزارنے کے قابل بنا دیا۔ آپ سے پہلے اپنے ہی بنائے ہوئے پھندوں میں انسان پھنسا اور جکڑا ہوا تھا اور صدیوں سے اپنے ہی لادے ہوئے بوجھ تلے کراہ رہا تھا۔ حضورؐ نے انسانیت کے بوجھ ہلکے کیے اور اسے زندگی کی شاہراہ پر ہلکے پھلکے انداز میں چلنا سکھا دیا۔

حضورؐ کی تعلیمات کی ایک شان یہ بھی ہے کہ انھیں جہاں مخالفت کرنے والوں سے واسطہ پڑا، وہاں دعوت قبول کرنے والوں، جان قربان کرنے والوں اور قربانیاں دے کر دینِ حق کو دنیا کے آخری کناروں تک پہنچانے کا داعیہ رکھنے والوں سے بھی سابقہ پیش آیا۔ گویا دعوت کا کام ایک فطری ترتیب سے سرانجام پایا۔ مخالفت کرنے والوں نے بلاشبہ سخت ترین مخالفت کی لیکن رفاقت کرنے والوں نے بھی قابلِ رشک اور مثالی رفاقت کر کے دکھائی اور ساتھ ہی رفاقت کرنے والوں کی تعداد دن بدن فطری طور پر بڑھتی اور پھیلتی چلی گئی۔ اس کے مقابلے میں مزاحمت کرنے والوں کا زور بتدریج ٹوٹتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ بالکل فطری طریقے پر ہی ساری مزاحمت ٹوٹ گئی اور اسلامی تحریک پورے معاشرے

میں اپنی تعلیم اور کردار کے زور سے غالب آگئی ہے وہ فطری اور تدریجی کامیابی کی شان ہے جو خاص حضورؐ کی خصوصیت ہے۔ ایسی خصوصیت جو قیامت تک انسانی معاشرے میں کام کرتے ہوئے اسلامی جدوجہد کے راستے میں روشنی کا مینار بن کر سامنے آتی رہے گی اور قافلے اس کی مدد سے آگے بڑھتے رہیں گے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے انسانیت کو پرانے مذاہب کی دیومالا، ان کی مذہبی اجارہ داری، استحصال کرنے والوں کے ایک بھاری سلسلے، پیچ در پیچ افکار و نظریات کے شدید چکر، خام خیالیوں کے پُرفریب جنگل سے نجات ملی۔ معبودانِ باطل کے سلسلے ختم ہو گئے، پنڈتوں، پروہتوں، مذہبی اجارہ داروں، خصوصی مفادات کے حاملوں، رسوم و رواج میں انسانیت کو جکڑ کر اسے اپنی قیادت کی رتھ میں جوتنے والوں اور انہیں خوف و دہشت میں مبتلا کر کے اپنے مفادات کی مستقل اساس بنائے رکھنے والوں سے انسان کو چھٹکارا مل گیا۔ اور سا انسان ایک بار خدا کی زمین پر خدا کی بندگی کرنے کے لیے مکمل طور پر آزاد ہو گیا۔ اس کے لیے خیریت فکر، آزادیٔ عمل اور فکری تگ و دو میں عملی حصہ لینا ممکن ہو گیا۔ کسی چیز پر کسی شخص یا گروہ کی اجارہ داری نہ رہی۔ پورے کا پورا دین جو بے شمار چھوٹے بڑے خداؤں کی ملکیت میں بٹا ہوا تھا سمٹ کر تمام تر ایک خدا کے لیے وقف ہو گیا۔ اور ہر انسان بندگی کے فطری نظام پہ لا کر کھڑا کر دیا گیا۔

حضورؐ اکرم کی ایک یہ بھی شان ہے کہ اُن کا ذکر پیہم پھیلتا ہی چلا گیا۔ اور چار دانگ عالم میں حضور کو سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ مشہور اور سب سے زیادہ انسانوں کے دلوں کے قریب کر دیا گیا۔ کوئی بستی، کوئی گلی، کوئی کوچہ، کوئی انسانی آبادی اور کوئی انسانی گروہ حضورؐ کی تعلیمات سے ناواقف اور اُن کے ذکر خیر سے محروم نہ رہا۔ پانچوں وقت کی آذانوں میں آپ کا نام بلند ہوا۔ ساری نمازوں میں آپ پر درود کا سلسلہ قیامت تک کے لیے جاری ہو گیا۔ انفس و آفاق میں خدا کے بعد جس ہستی کی سب سے زیادہ تعریف و توصیف ہوئی وہ آپ کی ہی ذاتِ پاک ہے۔ جہاں اللہ کا نام آیا وہاں اللہ کے سب سے زیادہ محترم اور محبوب بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر آیا۔ آپ کا وجود منشائے خداوندی کا مظہر ٹھہرا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا کہ ورفعنالك ذكرك — ہم نے تیرا ذکر بلند کر دیا۔ تو پھر واقعی آپ کا ذکر ایسا بلند ہوا کہ ہر بلندی اس کے سامنے

پست ہو گئی۔ ہر محبوبیت آپ کی محبت کے سامنے دب گئی اور ہر شہرت آپ کے سامنے گردِ راہ بن گئی۔ دنیا کی بستیوں میں کوئی چاہے نہ چاہے آپ کا ذکر پنج وقت ہوا کے دوش پر سوار گھر گھر کے صحن میں پہنچتا اور فرد فرد کو سنائی دیتا ہے۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ مالک کائنات کی نوازشات کا نشان بن کر آئے۔ ایک طرف آپ کا پیغام مکمل ہوا تو دوسری طرف اس پیغام کی تمام برکات سے دنیا نے بھرپور استفادہ کیا۔ تیسری طرف آپ کو ہر قوم پر نصرتِ الٰہی سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کی اٹھائی ہوئی دعوت کامیابی کے تمام مراحل سے بتدریج گزرتی ہوئی اپنے اس فطری مقام تک جا پہنچی جس مقام کو کامیابی کا بہترین اور بلند ترین مقام کہا جا سکتا ہے۔

آپ کو قدم قدم پر قوت و توانائی سے مدد پہنچائی گئی۔ معرکۂ بدر برپا ہوا تو کسے گمان تھا کہ مکہ کے مہاجر اور مدینہ کے پناہ گزیں لوگ جن کے کاروبار، ذریعہ معاش اور ٹھکانے بھی ابھی اچھی طرح جمے نہ تھے اور جن کو مدینہ کی آب و ہوا بھی ابھی پوری طرح راس نہ آئی تھی، اُن کی مٹھی بھر جمعیت لشکرِ قریش کے زرہ پوش مسلح فوجیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دے گی۔ حضورؐ نے دعا میں یہ اصرار فرمایا تھا کہ بارِ الٰہا اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر نام لیوا مٹ گئے تو پھر کوئی تیرا نام لیوا نہ رہے گا۔ اور جب فرطِ انہماک سے چادر مبارک آپ کے کندھوں سے گر پڑی تو آگے بڑھ کر صدیق اکبرؓ نے وہ چادر کندھوں پر ڈال دی اور عرض کیا یا رسول اللہ! بس کیجیے۔ آپ کا رب آپ کی دعا قبول فرمائے گا۔ اور وہ کبھی آپ کو ضائع نہ کرے گا۔ چنانچہ بدر کے معرکہ نے یہ ثابت کر دیا کہ کس کے ساتھ حق کی قوت ہے۔ اب اس کی زمین پر زندہ رہنے کا حق قدرت کی طرف سے کس کو عطا کیا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس تحریک، اس کے داعی، اس کے نیک نفس کارکنان اور اُن کے مسائل کے ساتھ شروع سے آخر تک ایک گہرا اور مضبوط تعلق قائم رکھا، قدم قدم پر اس کی رہنمائی کی، وقتہ وقتہ سے ان لوگوں کو کامیابی کی خوشخبریاں سنائیں۔ جب ہجرت کرنے والوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا، تب بھی حضورؐ نے سراقہ بن مالک سے یہی کہا تھا کہ تم ایک روز کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اور جب غزوۂ احزاب میں خندق کھودی جا رہی تھی اور بھوک کے پیٹوں پر پتھر بندھے ہوئے تھے تب بھی کدالوں کی ضرب سے پتھر سے اٹھنے والے شراروں کو دیکھ کر اللہ کے نبی یہی فرما رہے تھے کہ مجھے روم و ایران کے قصروں

کے کنگرے گرتے اور اُن کے محلات فتح ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ کہیں حدیبیہ کے میدان میں بظاہر دب کر کیے گئے معاہدے کو فتح مبین قرار دیا جا رہا ہے اور کہیں اس تحریک کو جنگی فتوحات کے ذریعے، کہیں معاہدات کے ذریعے اور کہیں الہامات و پیغامات کے ذریعے مسلسل یہ خبر دی جا رہی تھی کہ اُس کا مالک اس دعوت کا نگران ہے اور اسے فطری انداز میں قدم بہ قدم اور درجہ بدرجہ لے کر چل رہا ہے اور ایک روز اس کا مقدر فتح مبین اور اس کی منزل کامیابی و کامرانی ہے۔

حضورؐ اکرم کی ایک یہ بھی شان ہے کہ آپ کو حروف کی دُنیا اور قلمی علم کے راستے سے مکمل ناآشنائی رہی۔ لیکن آپ کی تحریک ایک عظیم علمی، اخلاقی اور تعلیمی تحریک بن کر اُٹھی۔ حضورؐ قیامت تک کے لیے معلم انسانیت مقرر کیے گئے۔ جب کہ آپ حضرت جبریلؑ سے پہلے تعارف میں ہی بار بار یہ دہرا رہے تھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم ترین بندے کو علم کا سرچشمہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ علم آپ کی باتوں سے، آپ کے طرزِ عمل سے، آپ کی گفتگو سے اور آپ کی خاموشی سے، آپ کی حرکات سے اور آپ کے سکوت سے نمودار ہوا۔ یہ یونیورسٹیاں آپ کے علوم کا احاطہ کرنے سے قاصر رہ گئیں۔ کروڑوں کتب پر مشتمل لائبریریاں آپ کے علوم کی وضاحت و تشریح کے لیے وجود میں آئیں۔ لوگ آپ کی باتوں کو جمع کر کے اور اُن کی تشریح کر کے علامہ دہر بن گئے، حضورؐ اکرم کے علم سے ایک مخصوص تمدن وجود میں آیا۔ ایک جدید تہذیب نمودار ہوئی۔ ایک نئے کلچر نے فروغ پایا۔ ایک علیحدہ نظریاتی قومیت نمودار ہوئی۔ مدرسے، مکتب، مسجد، لباس، انداز بیان، معاملات، حرام و حلال کے پیمانے، دوستی و دشمنی کے تعلقات کے انفرادی سطح سے لے کر ملی اور بین الاقوامی سطح تک تمام قواعد وجود میں آ گئے اور یہ سب کچھ ایک ایسے انسان کے ذریعے انسان کو ملا جو کی دُنیا سے مکمل ناآشنا تھا۔

حضورؐ کی ایک شان یہ بھی ہے کہ آپ ہجرت والے کہلاتے۔ ہجرت آپ کی جدوجہد کے مراحل میں ایک عظیم مرحلہ قرار پائی۔ سارے کے سارے اہلِ ایمان گھروں سے بے گھر ہو گئے، غربت میں پریشانیوں کا شکار ہوئے، شدید محنت و مشقت سے دوچار ہوئے۔ ان سہولتوں سے ناآشنا ہو گئے جو کسی شخص کو اپنے گھر، اپنے ماحول اور اپنی بستی میں ہمیشہ میسر ہوتی ہیں۔ مکمل طور پر بے خانماں ہو کر اُن کی تحریک نے ایک نئی کروٹ بدلی۔ بے سروسامانی کی شدت نے نئے نئے سروسامان پیدا کر دیے۔

بے وطنی اور شہر بدری نے نئے اخوان، نئے دوست، نئے ہمسائے، نئے تعلقات اور نئے دست و بازو فراہم کر دیے۔ نئی سرزمین نے دعوت کی قدرت وعظمت و تاثیر میں بے بہا وسعت پیدا کر دی۔ نئے کان سننے والے، نئے مخاطب، نئے جواب دینے والے اور نئے لوگ متاثر ہونے والے فراہم ہو گئے۔ اور ایک دعوت جو شہر بدر ہو کر بظاہر بے آسرگی اور بے چارگی کا شکار ہو جانے والی تھی اور حضورؐ کی عظمت و کردار اور تدبیر منزل سے روز افزوں ترقی کی طرف پیش قدمی کرنے لگی۔ شاید ہی کوئی دعوت ایسی ہو جسے اُس کے فطری ماحول سے اُکھاڑ پھینکا گیا ہو اور اپنی بے وطنی اور بے آسودگی اُس کے لیے بار آور ہونے کا سبب بن گئی ہو۔ اس میں حضورؐ اکرم کے عظمت و کردار کا وہ دخل ہے جس کی مثال پوری تاریخ دعوت و عزیمت میں کہیں نہیں ملتی۔

حضورؐ اکرم کی ایک خصوصی شان یہ بھی ہے کہ انھوں نے کتابِ الٰہی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ کردار سازی کا کام بھی کیا۔ اور ساتھ ہی حکومت کی تعلیم بھی دی۔ حکمت کی تعلیم دین کا وہ بے پایاں فہم و شعور ہے جو حضورؐ نے قرآن کو خود اپنے وجود میں سمو کر اور اپنے قلب میں اپنا کر اپنی تعلیم، اپنے اعمال اور اپنے اسوۂ حسنہ کے ذریعے مجسم قرآن لوگوں کے سامنے رکھ دیا۔ لوگ قرآن کو حضورؐ کی صورت میں دیکھ سکتے تھے۔ اسی لیے خدا نے بھی حضورؐ کے طرزِ عمل اور اسوۂ مبارکہ کو پوری اُمت بلکہ پوری انسانیت کے لیے اعلیٰ ترین قابلِ اتباع نمونہ بنا کر پیش کیا۔ حضورؐ کی ایک ایک بات حکم بن گئی اور ایک ایک حرکت دلیل و ہدایت قرار پائی۔ جس طرح بدر میں حضورؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ قرار پایا اور جو کنکریاں حضورؐ نے پھینکیں خدا نے انھیں اپنی طرف سے پھینکی گئی قرار دیا۔ اسی طرح حضورؐ کا ہر حکم، ہر عمل، ہر بات، ہر اشارہ خدا کا اشارہ قرار پایا اور اس کی پیروی کرنا ہدایت کے لیے ضروری ہو گیا۔ حضورؐ نے بھی اس کا حق اس طرح ادا کیا کہ زندگی کے ہر معاملے میں کھول کھول کر تعلیم ربانی پہنچائی۔ جہاں کانٹے بچھائے گئے، جہاں پتھر مارے گئے، جہاں کوڑا پھینکا گیا، جہاں تمسخر اُڑایا گیا، جہاں لوگ جمع ہوئے، جہاں انسانوں کا کوئی اجتماع ہوا، جہاں جہاں ممکن ہوا، اللہ کی تعلیم اس کے بندوں تک پہنچانے میں حضورؐ نے کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اپنی محنت، قوت، مشقت، دوڑ دھوپ، مسلسل کاوش اور پیہم سعی کے ذریعے آپ نے پوری انسانیت پر ثابت کر دیا کہ خدا کا پیغام پہنچانے کا حق کس طرح ادا کیا جاتا ہے اور اتمامِ حجت کس چیز کا نام ہوتا ہے۔ حضورؐ نے پورے معاشرے میں کوئی ایک فرد بھی یکسر جانبدار نہ چھوڑا۔ پورا معاشرہ حضورؐ کی جان توڑ تگ و دو

کے دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ اور جب حضورؐ کی ان مساعی کے نتیجے میں ان دونوں حصّوں میں تصادم ہوا تو پھر اللہ کا عظیم ہاتھ آگے بڑھا اور اس نے باطل کا کچومر نکال دیا جس کے نتیجے میں کفر کے حصّے میں شکست آئی جو ہمیشہ سے اُس کا مقدر ہے۔ بشرطیکہ حق کے داعی فتح حاصل کرنے کے وہ سارے تقاضے پورے کریں، جن تقاضوں کو پورا کیے بغیر عالمِ اسباب میں جدوجہد اور سعی کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور نہ باطل کی شکست منصفانہ ہو سکتی ہے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں پر نہایت درجہ مہربان تھے اور آپ کی یہ مہربانی دوستوں سے گذر کر مخالفوں کی صف تک پھیلی ہوئی تھی۔ جنگِ بدر میں قریش کے قیدی بندھے ہوئے پڑے تھے۔ اور چونکہ مشکیں کسی ہوئی تھیں اس لیے کراہ رہے تھے اور درد و تکلیف سے سو نہ سکتے تھے۔ حضرت عباس حضورِ اکرم کے چچا کا بھی یہی حال تھا جب کہ وہ دل سے مسلمانوں کے خیر خواہ اور اسلام کے ماننے والے تھے۔ لیکن مصلحتاً" کافروں کی طرف سے آئے تھے اور انہوں نے جنگ میں حصّہ نہیں لیا تھا۔ حضورؐ کو اُن کی کراہیں سُن سُن کر رات نیند نہیں آ رہی تھی۔ پہریدار نے یہ محسوس کر کے حضرت عباسؓ کے بند ڈھیلے کر دیے۔ اِس پر عظمتِ انسانی کے عظیم ترین علمبردار حضورِ اکرم نے پہریدار کو بُلا کر فرمایا کہ سب قیدیوں کے بند ڈھیلے کرائے جائیں۔ اس کے بعد جب سب قیدی اطمینان سے سو گئے تو پھر حضورؐ کو بھی نیند آ گئی۔

حضور رات کو تہجد کثرت سے پڑھنے کے عادی تھے۔ اور رمضان المبارک میں تو حضورؐ کا معمول بہت زیادہ وسیع ہو جاتا تھا۔ حضورؐ نے عشاء کے بعد نوافل کا سلسلہ شروع کر دیا تو صحابہ بھی آپ کے پیچھے آ کر کھڑے ہوئے اور باجماعت نوافل پڑھنے لگے۔ جب حضورؐ نے صحابہ کا یہ ذوق شوق دیکھا تو یہ سلسلہ منقطع کر دیا۔ صحابہ کرامؓ نے اصرار کیا تو آپ نے فرمایا "تمہارا ذوق شوق دیکھ کر مجھے خطرہ ہوا کہ تم پر کہیں یہ تراویح فرض نہ ہو جائیں اور پھر تم اُسے ادا نہ کر سکو اور اپنے نفسوں پر ظلم کرو اس لیے میں نے یہ سلسلہ ختم کر دیا۔"

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان تھی کہ آپ لوگوں کو جہنم کی آگ سے نجات دلانے اور اُن کے ایمان لانے کے بیحد حریص اور شائق تھے۔ آپ لوگوں کی نفع رسانی کے لیے بڑی سے بڑی مشقت اور تکلیف گوارا کر لیتے تھے۔ حضورؐ کے نزدیک کسی انسان کی سب سے بڑی نفع رسانی اس کا خدا اور

رسول پر ایمان لے آنا تھا جو درحقیقت جاودانی نفع ہے۔ اس لیے جب قریش کے سردار عتبہ نے آکر پیش کش کی کہ آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو زر و جواہر حاضر ہیں، ریاست چاہتے ہیں تو ہم آپ کو رئیس بنا لیتے ہیں۔ تخت چاہتے ہیں تو بادشاہت حاضر ہے۔ بس آپ یہ دعوت کا کام چھوڑ دیں۔ جواب میں حضورؐ نے فرمایا کہ اگر تم چاند اور سورج بھی میرے ہاتھوں پر لا رکھو تو میں یہ کام نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ کام تکمیل کو پہنچے گا یا میری جان اسی کام میں کھپ جائے گی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگوں کی عام بہبود اور اُخروی فلاح کے مقابلے میں حضور ذاتی نفع کی بڑی سے بڑی مقدار کو بھی پرِ کاہ کے برابر نہ سمجھتے تھے۔ یہ طرزِ عمل آپ کی شانِ نبوت کے عین مطابق تھا۔

ابوجہل نے جب حضور کے ساتھ گستاخی کی اور گردن میں چادر ڈال کر اس قدر بل دیئے کہ حضورؐ کی آنکھیں باہر نکل آئیں تو اس کی خبر حضرت حمزہ تک پہنچی۔ حضرت حمزہ اب تک ایمان نہ لائے تھے۔ وہ سیدھے ابوجہل کے پاس پہنچے اور اپنی کمان اُس کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ زخمی ہوگیا اور ساتھ ہی واپس آکر حضور کو بتایا کہ انہوں نے حضورؐ کا انتقام ابوجہل سے لے لیا تھا۔

جواب میں حضورؐ نے فرمایا:

"مجھے انتقام وغیرہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں البتہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔"

حضورؐ کی اس بات نے حضرت حمزہ کے دل کو جھنجھوڑ دیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔

غرض مسلمانوں کی نفع رسانی حضورؐ کے دل و دماغ میں ایسی اُتری ہوئی تھی کہ حضورؐ نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل جو خطبہ دیا اس میں فرمایا۔

"مسلمانو! اللہ تم کو سلامتی سے رکھے، تمہاری حفاظت فرمائے، تمہیں شر سے محفوظ رکھے، تمہاری مدد کرے، تم کو سربلند کرے، تمہیں ہدایت اور توفیق دے۔ تمہیں اپنی پناہ میں رکھے، آفتوں سے بچائے اور تمہارے دین کو تمہارے لیے محفوظ فرمائے۔"

یہ الفاظ یہ بات بتانے کے لیے بہت کافی ہیں کہ حضور کو مسلمانوں کی ہمدردی، نفع رسانی اور دنیوی اور اُخروی ترقیات و فوائد کی کتنی فکر تھی۔ حضورؐ کی یہ شان نرالی اور بڑی ہی دلآویز ہے۔ اس خوبی میں والد کی شفقت اور ماں کا پیار دونوں بھرپور پائے جاتے ہیں۔

حضورؐ کی یہ بھی شان تھی کہ آپ مومنین سے نہایت درجہ پیار کرنے والے اور ان پر حد سے زیادہ مہربانی اور شفقت کرنے والے تھے۔ امت کے ساتھ آپ کی مہربانیوں اور عام انسانوں کے ساتھ آپ کے رحم و کرم کا کوئی حد و حساب نہیں ہے۔ حضورؐ کی زندگی کا ہر سانس رحم و کرم سے بھرپور ہے۔ حضورؐ نصیحت بھی کرتے تو اس پیرائے میں جو کسی کو ناگوار نہ ہو۔ وعظ بھی فرماتے تو اس قدر جو لوگوں کے لیے بوجھل اور بھاری نہ ہو۔ نماز میں اگر کسی بچے کے رونے کی آواز بھی آتی تو بچے کی ماں کے اضطراب اور بچے کی تکلیف کے خیال سے نماز کی قرأت مختصر کر دیتے تاکہ ماں بچے کو جلد سنبھال سکے۔ سواری پر کبھی اس حالت میں سوار ہونا پسند نہ کرتے کہ دوسرے ہمراہ پیدل چل رہے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان مقروض مر جاتا تو بیت المال سے اس کا قرضہ ادا کر دیا کرتے۔ اور فرماتے کہ تم میں سے جب کوئی قرضہ چھوڑ کر مر جائے تو وہ ہمارے ذمہ ہے اور اس کی وراثت اس کے وارثوں کی ہے۔ حضورؐ کو بالکل پسند نہ تھا کہ لوگوں کی غیبت آپ کے سامنے کی جائے۔ فرمایا کرتے کہ میں اپنا سینہ ہر مسلمان کی طرف سے صاف رکھنا چاہتا ہوں۔ اُمت کی فلاح و بہبود کے لیے رات رات بھر دُعائیں کیا کرتے۔ چھوٹے بچوں سے بہت پیار کرتے، غلاموں کے ساتھ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھا لیا کرتے۔ اور مسکینوں میں شامل ہو کر رہنے کو بہت پسند کرتے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک خصوصی شان ہے کہ تمام انبیاء میں آپ پہلے اور آخری رسول ہیں جو صرف اپنی قوم کی طرف ہی نہیں بلکہ سارے عالم انسانی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ

ہم نے آپ کو پوری نوع انسانی کی طرف بھیجا ہے

اس سے پہلے تمام انبیاء اپنی اپنی قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی تمام تبلیغی مساعی کا محور اپنی قوموں کو ہی بنایا اور انہیں کے محدود مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت موسٰیؑ نے بنی اسرائیل کی قوم کی نجات کا مطالبہ کیا۔ حضرت عیسٰی اپنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کو تلاش کرنے آئے لیکن حضور اکرم کی دعوت کا رُخ پوری انسانیت کی طرف ہے۔ پوری انسانی آبادی اُس کے سامنے ہے۔ ہر قوم، ہر نسل، ہر علاقہ کے لوگ حضورؐ کی دعوت کے مخاطب ہیں اسی لیے حضورؐ کی دعوت میں علاقائیت، یا نسلیت نہیں، بلکہ بین الاقوامیت اور بین الانسانیت

ہے۔ اور پوری دعوت رنگ، نسل، علاقہ اور زبان کی محدودیتوں سے بالاتر ہے۔ حضورؐ کی دعوت انسانی برادری کی مساوات، اخوت اور نظریاتی برابری کے اصولوں پر قائم کرتی ہے۔ حضورؐ کی دعوت کا یہ رُخ ہے جو ایک طرف مکمل طور پہ منفرد ہے اور دوسری طرف قیامت تک کے لیے کفایت کرتا اور حضورؐ کے خاتم النبیین ہونے پر گواہی دیتا ہے۔

حضورؐ کی یہ بھی ایک شان ہے کہ آپ خاتم النبیین ہوئے یعنی آپ کے بعد اور کوئی دوسرا رسول انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے آنے والا نہیں ہے۔ گویا حضورؐ کی تعلیمات قیامت تک کے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے پوری طرح کفایت کرتی ہیں۔ حضورؐ کا لایا ہوا دین وہ آخری صراط مستقیم ہے جو انسانوں کو اُن کے خالق تک پہنچاتا ہے اور اُس کے سوا باقی سارے راستے اینچ پینچ کی پگڈنڈیاں ہیں جن کے سامنے بھٹکنے اور تباہی کے سوا دوسری کوئی منزل نہیں ہے۔ صراط مستقیم صرف ایک ہی ہے اور وہ حضورؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کی صورت میں بنی نوع انسان کے حوالے کر دیا گیا ہے۔ اب جب کہ پوری دُنیا سمٹ کر ایک کنبہ بن چکی ہے اس میں زبان اور دُوری کے مسائل ختم ہوگئے ہیں۔ پیغام پہنچنے کے بے شمار سریع الاثر ذرائع موجود ہیں اور تبلیغ دین کے لیے بھی مسافتیں مختصر ہوگئی ہیں۔ ایسی صورت میں ہر روز جو طلوع ہوتا ہے وہ حضورؐ کی ختم نبوت پہ مُہر لگاتا ہے اور جوں جوں انسانیت رنگ و نسل اور علاقہ و قبیلہ کی عصبیتوں سے نجات پا رہی ہے۔ ویسے حضورؐ کا لایا ہوا دین بالکل ایک فطری ضرورت کے طور پر انسانوں میں متفق علیہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

(باقی)

ایران کی اسلامی تحریکِ رستاخیز

ایران کی حالیہ تحریکِ رستاخیز تاریخ کا ایک نوحہ کش باب ہے۔
اِس تحریک کی قیادت آیت اللہ خمینی ملک سے صدہا میل دُور بیٹھ کر کر رہے ہیں، اور علامہ خمینی اور اُن کے ہم فکر علماء نے بادشاہی استبداد کے خلاف اُٹھنے والے عوامی ردِّ عمل کے سیلاب کو اسلامی انقلاب کے رُخ پر ڈال کر بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔
ایران جس انتہائی شدید مدّ و جزر سے گزر رہا ہے، اس کے موج و گرداب کا تماشا ہم قریب سے نہیں کر سکتے۔ اِس وجہ سے ہلکی سی یہ تشویش باقی رہتی ہے کہ ہمسایہ سوشلسٹ مملکت جو عالمی شکارگاہ میں مشرق و مغرب کی کئی قوموں کو بستۂ فتراک کر چکی ہے، وہ ایران کے بحرانی حالات سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھا لے جائے۔ سُرخ شکاریوں کا طریقِ واردات یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے اندر سے "ہانکا کرنے والے" ایجنٹ تلاش کرتی ہے، پھر اُن کی پرورش کرتی ہے، انہیں انقلابی سازش و تخریب کا فن سکھاتی ہے، اُن کو کام کرنے کی "لائسنس" دیتی ہے، اور انہی کے ذریعے کسی قوم کے قلعے میں نقب زنی کرا کے اُس میں آگے آگے مقامی سپاہیانِ انقلاب کو داخل کراتی ہے، اور پیچھے پیچھے باہر سے فرستادہ قوتوں کو پہنچا دیتی ہے۔ پھر ایک ہی ملک اور ایک ہی دین کے وابستگان کو لڑا دیتی ہے اور جب خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں اور لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں تو اعلان ہوتا ہے کہ عوام نے سُرخ انقلاب برپا کر دیا۔ بحرانوں کی دھواں دھاریں میں، اختلاف کے رخنوں سے دوسرے معاشروں میں داخل ہونے والے اس جدید سامراج کے متعلق اُن تجربات کی وجہ سے تشویش ہوتی ہے جو حال ہی میں بعض مسلم علاقوں میں پیش آ چکے ہیں۔

لیکن خمینی اور اُن کے ہم مسلک علماء نے ہجومات عوام کی سیلابِ جوشش و خروش پر بڑے ہوش سے قابو حاصل کر لیا ہے۔ اور حیرت ہے کہ پہلے سے حالات کو انضباط میں رکھنے والی کسی منظم جماعت کے نہ ہونے ہوئے اتنا انضباط کیسے ہے کہ خمینی کا اشارہ ہوتا ہے تو ہڑتال یا مظاہرہ ہو جاتا ہے، اُس کی زبان سے ایک کلمہ صادر ہوتا ہے تو مظاہرین قدم روک لیتے ہیں اور پُر امن ہو جاتے ہیں۔ وہ جس چیز کو نامنظور کر دیتا ہے، اسلامی تحریک رستا خیز کا ہر فرد اُسے مسترد کر دیتا ہے، وہ جسے مطلوب قرار دیتا ہے، اُسے سارا ایران پسند کرنے لگتا ہے۔ ایران کی تاریخ میں شاید اتنی بڑی تحریک کا، اور ایسی مؤثر قیادت کا پہلا موقع آیا ہے۔

تحریک کے سیلابی ظہور اور اُس کے ایسے انضباط اور اُس کی مستحکم قیادت کو دیکھ کر ہزار اندیشوں کے باوجود کہا جاسکتا ہے کہ اب شاید بادشاہت کا سفینہ دوبارہ سطح پر اُبھر نہ سکے گا۔

عوام کے ردِّ عمل کی مثبت شکل شہنشاہیت کے مظالم، اس کی مغرب پرستی، مے و قمار اور رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کے لیے اس کی مساعی فروغ، دَورِ آتش پرستی کے قدیم ایران اور سائرس کے لیے اس کی عقیدت، اُس کی اسرائیل نوازی اور امریکہ سے نیازمندانہ وابستگی کی وجہ سے ردِّ عمل کا جو لاوا عوام میں پکتا رہا تھا، اُسے سامنے آنے سے پہلے بھی اور اس کے مظاہراتی سطح پر آنے کے بعد بھی کوئی کج فکر قوت موقع پاتی تو کسی بھی طرف لے جاسکتی تھی۔

خمینی اور اُن کے ہم مسلک علماء کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ابتداء ہی سے اس گرم گرم لاوے کے تیز و تند ریلے کا رُخ اسلام کے منشاء کے مطابق موڑ دیا۔

خمینی کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شیعی دُنیا کو ایک ایسا طرزِ فکر دیا جس سے ہمارے شیعہ بھائیوں کی تاریخ اب تک خالی رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ شیعی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام صرف امامِ منتظر کے ہاتھوں ہونا ہے۔ لہٰذا بیچ کے دَور میں سیاسی لحاظ سے اُن کی کوئی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ جو بھی حکومت جس بھی شکل میں اور جن بھی لوگوں کے ذریعے چلتی رہے، انہیں گوارا ہے[1]۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات کے ان بڑی آسانی سے حکومت اور انقلاب کے غیر اسلامی نظریات کو جگہ ملتی رہی ہے۔ ان کے ہاں چونکہ سیاسی و اجتماعی لحاظ سے ذہنی خلا ہے، اس بنا پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

خمینی نے ایرانی قوم کو یہ تلقین کی کہ یہ ٹھیک ہے کہ امامِ منتظر کے ہاتھوں ہی مکمل طور پر، اور ساری دنیا میں اسلامی نظام قائم ہوگا، مگر سوال یہ ہے کہ ان کے زمانۂ غیبوبیت میں کیا ہمیں غیر اسلامی طرزِ زندگی اور نظامِ سیاست پر قانع اور مطمئن رہنا چاہیے، یا صحیح یہ ہے کہ امامِ منتظر کی آمد سے قبل کے دور میں جہاں بھی ہم موجود ہیں، وہاں ہم خدا کے دین، اس کے قانون اور اس کی شریعت کو نافذ کرنے کی سعی کریں۔ اس سوال کے جواب میں آیت اللہ خمینی نے ایرانی قوم کو اپنے صحیح نقطۂ نظر سے پوری طرح متاثر کر لیا ہے کہ بادشاہت کو ہٹا کر ہمیں جمہوریۂ اسلامیہ کو قائم کر کے اس میں شرائع الٰہیہ کو نافذ کرنا چاہیے۔ تحریک اگر محض منفی نوعیت کی رہتی، یعنی بادشاہت اور اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنا ہے تو مثبت دعوت کو لے کر نہ جانے کونسی قوت بیچ میں کود جاتی اور عوام نے لاشوں کی جو فصل کاشت کر کے اپنے خون سے اس کی آبیاری کی ہے اُسے کون کاٹ لے جاتا۔ اور سارا حاصل کھتوں میں ڈال لیتا۔ خمینی نے تحریک کو منفیت کی راہ پر پڑنے سے بچا کر مثبت قوت میں بدل دیا ہے۔

یہ سیاسی نقطۂ نظر شیعی تاریخ میں علامہ خمینی کے ذریعے پہلی بار نمودار ہوا ہے اور پہلی بار اُسے ایران کی شیعہ اکثریت نے قبول کر لیا ہے۔

ایرانی تحریک اور اتحادِ اسلامی

دوسری عظیم خدمت علامہ آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم مسلک علماء کی یہ ہے کہ انہوں نے شیعہ سنی اختلافات سے بالاتر سطح پر سوچنے کی تعلیم دی ہے۔ وہ پورے عالمِ اسلام کو ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا دستِ محبت تمام مسلمان ممالک کی طرف بڑھایا ہے تاکہ ہر جگہ کی دینی تحریکوں کا تعاون ان کو حاصل ہو۔ اسی مقصد سے انہوں نے پاکستان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں اپنے خاص نمائندوں کے ذریعے پیغام بھجوایا ہے۔

شیعی تاریخ میں یہ بھی پہلا موقع ہے کہ علامہ خمینی نے خلافتِ راشدہ کی اصطلاح رائج کی ہے،

(بقیہ اشارات صفحہ سابقہ) اس خلا کو طرح طرح کے فکری، سیاسی اور معاشی نظام بھرتے رہتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ شیعہ حضرات میں غیر شعوری طور پر یہ میلان رہا ہے کہ دوسرے لوگ اسلامی حکومت کے قیام کی جو کوششیں کریں، وہ چونکہ امامِ منتظر کی رہنمائی سے محروم ہیں، لہٰذا وہ باطل ہیں اور ایسی کوششوں کی اوّل تو تخریب کرنی چاہیے، ورنہ کم سے کم ان میں دلچسپی لینا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔

اور اسی طرز پر کام کرنے کا اعلان کیا ہے۔ شیعی لٹریچر میں لفظ خلافت اور خلیفہ کیلئے مخالفانہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کو استعمال کر کے علامہ خمینی نے وہ پل بنا دیا ہے جو اہل سنت اور اہل تشیع کو آپس میں ملانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ حقیقت بھی زیر نظر لانے کی ہے کہ خمینی اور اُن کی اسلامی تحریک نے اسرائیل سے تعلقات رکھنے، اُسے ایرانی تیل فراہم کرنے اور یہودیوں کو ایران میں رکھنے سے انکار کر دیا ہے۔

آج علامہ خمینی اور اُن کی تحریک ایران کی طرف سے ایران کو بالکل پاکستان کی طرح "اسلامی جمہوریہ" بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور لوگ اس قسم کے بینر اور تختیاں اٹھائے پھرتے ہیں جن پر "اسلامی جمہوریہ ایران" لکھا ہوا ہے۔

خدا کرے کہ علامہ خمینی کی قیادت میں اہلِ ایران کی اسلامی امنگیں اور آرزوئیں پوری ہوں اور پاکستان اور ایران دونوں اسلامی جمہوریہ بن کر اور شریعت اسلامیہ کو نافذ کرتے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پیش قدمی کریں۔ اگر ایران اور پاکستان میں اسلامی حکومتوں کا قیام عمل میں آگیا تو پھر پورے عالمِ اسلام میں یہی رنگ ابھرتا چلا جائے گا۔

مغرب کا ردِ عمل اہلِ مغرب آج کل بڑے پریشان ہیں۔ وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ مشرق وسطیٰ، ترکی، ایران، پاکستان اور انڈونیشیا میں جگہ جگہ اسلامی انقلابی تحریکیں نشوونما پا رہی ہیں اور وہ اتنی زوردار ہیں کہ اُن کے سامنے کسی ایسی بادشاہت یا آمریت کا ہزار جور و تعدی کے باوجود ٹھہرنا ممکن نہیں جو مغرب کے لیے ذریعۂ حصولِ مفاد ہوں۔

وہ ان تحریکوں کو اندھی جارحانہ اسلامی تحریکات (MILLTANT ISLAMIC MOVEMENTS) قرار دے کر گویا ان کے غیر جمہوری ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، اور ان سے سخت ناراض ہیں۔ اور بے حد تشویش میں مبتلا ہیں۔ اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک ملک میں بھٹو کی مضبوط کرسی اُلٹ گئی، اور دوسرے ملک میں بادشاہت کا قصر اُجڑ گیا۔ مغربی دانشور جو صحافت پر قابض ہیں، وہ بڑا دکھ اس بات پر محسوس کرتے ہیں کہ یہ تحریکیں اسلامی کیوں ہیں؟ سیکولر کیوں نہیں؟ اور مغرب پرست کیوں نہیں؟ اور پھر بھنّا کر قیادت کرنے والے علماء کو مُلّا کہہ کر ہدفِ تشنیع بناتے ہیں (واضح رہے کہ مُلّا کے لفظ کو یہ معنی مغربی امپیریلسٹ قوتوں نے اس وقت دیے تھے۔ جب اُن کی سامراجی پیش قدمی میں جگہ جگہ حائل ہونے والی

قوت علماء کی تھی)۔

اس طرح کا جو پروپیگنڈا ہو رہا ہے اُس کے پیچھے صلیبی جنگوں کے دَور کی مسلم دشمن ذہنیت کارفرما ہے۔ صلیبی جنگوں کا عسکری دَور گذر گیا۔ اب فکری اور نظری اور سفارتی اور سازشی طریقوں سے نئی صلیبی جنگیں جاری ہیں۔ دلچسپ یہ کہ صلیبی جنگیں مسیحی عصبیت کی برپا کردہ تھیں۔ اور آج حال یہ ہے کہ مسیحیت نہ صرف اجتماعی نظاموں سے ہر جگہ خارج ہو چکی ہے۔ بلکہ عیسائی افراد بھی اب ہر معاشرے میں قلیل التعداد رہ گئے ہیں۔ وہ بھی ایسے کہ ہفتے میں محض ایک بار گرجاؤں میں جانے والے ان میں قلیل تر ہیں۔ نظام الحاد کے چل رہے ہیں اور افراد عقیدہ و اخلاق کے لحاظ سے آزاد ہو چکے ہیں مگر ذہنیت پھر بھی صلیبی جنگوں کی باقی ہے۔ دَورِ تعقل میں یہ لامعقلیت کتنی حیرتناک ہے۔

عسکری شکل میں بھی یہ صلیبی جنگیں اور قبرص اور ارٹیریا اور جنوبی فلپائن میں آج بھی لڑی جا رہی ہیں۔

اسلامی تحریکوں کے خلاف اسرائیلی ریاست کا قیام اور پاکستان کے مشرقی حصے کا انہدام بھی انہی جدید صلیبی جنگوں کی فتوحات میں سے ہے۔ بار بار پروپیگنڈے کے طوفان اُٹھانا، اور اُن کو آمریتوں اور فسطائیتوں کے ذریعے پٹوانا اور رپسوانا سامراجی قوتوں (خواہ وہ سرمایہ دار ہوں یا اشتراکی) کا وطیرہ رہا ہے۔ لیکن کاش کہ وہ ایک بات پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں۔ وہ بات یہ ہے کہ مسلمان کسی بھی ملک میں ہوں نہ تو اُن کے اندر اپنے دینی و تہذیبی تشخص کے احساس کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں حرکت میں لانے والی احیائی تحریکات سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ترکی کا تجربہ خاصا سبق آموز ہے جہاں کمالی دَور میں اسلامی رجحانات کے دبانے کے لیے جبر اور مکر دونوں ذرائع سے ایک لمبے دور میں کام لیا گیا۔ مگر آج دیکھ لیجیے کہ مصنوعی طور پر مسلط کردہ سیکولر رجحان کے مقابلے میں مسلمانوں کا اسلامی رجحان پھر زور پر آ گیا ہے۔ مصر کے تجربے کا تجزیہ کیجیے۔ صدر ناصر نے کس بُری طرح اخوان المسلمون کو کچلا۔ شاید جدید دَور میں ہمہ گیر اور حد سے بڑھے ہوئے استبداد کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن آخر نتیجہ کیا نکلا۔ صدر ناصر ایک ناکامی کا جرعہ نوش کر کے دُنیا سے بے بسی کے ساتھ رخصت ہوا اور اس کے بعد کے دَور میں اخوان کا عوام میں نفوذ پہلے سے کئی گنا بڑھ گیا۔ پاکستان میں کیا ہوا؟ مسلم لیگ کے سنگل پارٹی رُول کے بعد عوام کے اسلامی رجحانات کے خلاف غلام محمد اور سکندر مرزا نے محلاتی سازشوں کا چکر چلایا، پھر ایوبی آمریت کا دہ سالہ دَور گذرا،

پھر یحییٰ خاں نے سیکولرازم کی حفاظت کی اور پھر بھٹو صاحب اسلامی سوشلزم کے جھنڈے تلے پورے پورے فسطائی ہتھکنڈوں سے دل کھول کر کام لیتے رہے۔ اس ساری عوام کشی اور جمہوریت سوزی اور مخالفتِ اسلام کا نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ نکلا اسلامی تحریک ۱۹۷۷ء کی صورت میں جس نے قصرِ وزارت کو ہلا کر رکھ دیا۔

کیا مغرب والے جنہوں نے جارح یہودی ریاست (MILLTANT ISRAIL) کو مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ملکوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے قائم کیا ہے اور جو فلسطینیوں کی تحریک اور عرب ملکوں کے شدید ردِّ عمل کو برسوں سے بھگت رہے ہیں، کیا متذکرہ واقعات سے یہ سبق نہیں لے سکتے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے عقیدوں اور امنگوں کے مطابق اپنے ممالک میں تحریکیں چلانے دیں اور اپنی پسند کا نظام قائم کرنے دیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی پسند کی سیکولر اور فسطائی قوتوں کی حمایت میں مذموم ضدّ سے کام لینے کے بجائے براہِ راست مسلم اقوام کے حقیقی جذبات کو سمجھیں اور اپنی پالیسیوں کا رُخ اُن سے ہم آہنگ رکھیں۔

ورنہ بار بار ہیجان میں مبتلا ہونے اور مسلمانوں کے معاملات میں رخنہ اندازی کرنے سے نہ صرف خود اُن کی دینی قوتوں کا نقصان ہوتا رہے گا، بلکہ اُن کی صلیبی ذہنیت کے جواب میں مسلمانوں میں بھی جذباتی شدت پیدا ہو جائے گی۔ اور آئندہ اچھے سفارتی اور تجارتی تعلقات کو چلانا مشکل ہو جائے گا۔

آج جب کہ مسلمانوں کی تاریخ میں پندرھویں صدی کے دَور کا آغاز ہونے والا ہے۔ حالات بڑے اُمید افزا ہیں۔ آج عالمِ اسلام میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے متعدد تحریکیں زور و شور سے کام کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آنے والی صدی کو غلبۂ اسلام کی صدی بنا دے! آمین!

رسائل و مسائل

لائسنسوں کی خرید و فروخت

ملک غلام علی صاحب

سوال :- میں کاغذ کا کاروبار کرتا ہوں - پچھلے چند ماہ سے اس تجارت میں ایک نئی نہج کا کاروبار شروع ہوا ہے جس سے دل مطمئن نہیں بلکہ اس کے حرام ہونے میں ایک گونہ یقین ہے ۔ براہ کرم رہنمائی فرمائیں ۔

مسئلہ یہ ہے کہ حالیہ حکومت نے اخبارات و جرائد کے پُر زور مطالبہ پر ان کو نیوز پرنٹ درآمد کرنے کی کھلی اجازت دی ہے ۔ اس میں ضرورت کا لحاظ رکھے بغیر ہر چھوٹے بڑے اخبار یا رسالے وغیرہ کو یا یوں کہیے کہ ہر ڈیکلریشن کے مالک کو کھلی اجازت ہے کہ وہ جتنا چاہے مال درآمد کر سکتا ہے ۔ اس سلسلہ میں جو احکامات جاری ہوئے ہیں وہ بظاہر تو یوں ہیں کہ نیوز پرنٹ کے صارفین کو اپنی ضرورت کے لیے سستے داموں مال میسر آئے اور اس کی مقدار کے لحاظ سے بھی وہ گزشتہ دور کی طرح حکومت کے دستِ نگر نہ ہوں ۔

لیکن لائسنسوں کا اجرا جس انداز سے جاری ہے اس کا نتیجہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی ضرورت کے بہانے مال منگوا کر مارکیٹ میں بازار کے بھاؤ فروخت کر کے پیسہ بھی کمائیں ۔ چنانچہ اب جس کسی کے پاس بھی ڈیکلریشن ہے وہ لائسنس کے لیے درخواست دے کر حسب منشا مالیت کا لائسنس حاصل کرتا ہے اور اس پر مال منگوانے کے بجائے بازار میں محض لائسنس ۱۰ % یا ۱۲ % یا جو چالو نرخ ہو، پر فروخت کر کے خریدار کو ایک مختار نامہ دے دیتا ہے کہ فلاں شخص اس لائسنس

کے متعلقہ بنک اور کسٹم وغیرہ کی تمام کارروائیاں پوری کرے گا۔ اس میں ظاہری صورت تو اگرچہ یہی رہتی ہے کہ جس کے نام لائسنس جاری ہوا ہے اُسی کے نام لیٹر آف کریڈٹ کھلتا ہے اور ظاہراً وہی مال منگوا رہا ہوتا ہے۔ مگر حقیقی پوزیشن یہ ہے کہ لائسنس کا مالک محض لائسنس کے دام کھرے کر کے الگ ہو چکا ہوتا ہے اور اس کے بعد عملاً لائسنس پر مال منگوانے اور فروخت کرنے اور نفع و نقصان کا ذمہ دار وہ شخص ہوتا ہے جس نے لائسنس خریدا ہو۔

اِس سلسلہ میں چند بنیادیں جن کی وجہ سے میں یہ معاہدۂ بیع وشریٰ (اولاً محض لائسنوں کی خرید و فروخت اور پھر اس خریدے ہوئے لائسنس پر مال منگوانا) ناجائز یا حرام سمجھتا ہوں، درج ذیل ہیں:۔

۱۔ اس میں بیع واشترا کسی چیز (COMMODITY) کا نہیں۔ بلکہ بنیادی طور پر پہلے مجرد لائسنس فروخت ہوتا ہے۔ (حتیٰ کہ اس لائسنس پر منگوائے جانے والے مال کی تصریحات بھی درج ذیل نہیں ہوتیں یعنی یہ درج نہیں ہوتا کہ مال کہاں سے آئے گا، کس سائز میں آئے گا یا کس نرخ پر آئے گا وغیرہ) اور اس سلسلہ میں احادیث پائی جاتی ہیں جن میں ایسی خرید و فروخت کی قطعی ممانعت کی گئی ہے جس میں کوئی وجود رکھنے والی چیز کا لین دین نہ ہو۔

۲۔ جس کے نام لائسنس جاری ہوتا ہے وہ ایک طے شدہ رقم مثلاً لائسنس کی مالیت کا ۱۰% یا جو بھی طے پا جائے لے کر الگ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد لائسنس خریدنے والا مال منگواتا ہے اور نفع و نقصان کا تمام تر ذمہ دار وہ خود ہوتا ہے۔ اس طرح اس میں قمار اور سود کی قدر مشترک نظر آتی ہے۔

۳۔ متعدد احادیث اِس مضمون کی ملتی ہیں جن میں کچی فصل یا کچے باغ وغیرہ کی خرید و فروخت منع فرمائی گئی ہے۔ اگرچہ مجتہدین نے اس معاملہ میں بعض رعائتیں مہیا کی ہیں مگر میرے خیال میں محض لائسنس ان تخفیفات میں نہیں آتے، کیونکہ محض لائسنس نہ صرف یہ کہ کچی کھیتی کے زمرے میں نہیں آتے بلکہ اس کھیتی کی تو ابھی کونپلیں بھی نمودار نہیں ہوئی ہوتیں۔ (جیسا کہ اوپر پہلے میں وضاحت کر چکا ہوں کہ لائسنس میں مکمل تصریحات تک نہیں ہوتیں)۔

اس کے برعکس بعض ایسے کاروباری لوگ ایسے ہیں جن کا کہنا ہے کہ حکومت نے چونکہ

اخبارات وغیرہ کو یہ رعایت ہی اِس غرض کے لیے دی ہے کہ وہ اِس رعایت کو ذریعۂ تجارت بنائیں۔ لہٰذا حکومت کی نیت ہی اگر یہ ہو تو ایسے لائسنس خرید کر ان پر مال منگوانے میں کوئی قباحت نہیں۔ تو اِس بارے میں بھی میرا خیال ہے کہ حکومت کی نیت کو اگر ایسا بھی سمجھ لیا جائے تو بھی محض لائسنسوں کی خرید و فروخت اور پھر اس خرید سے ہوتے لائسنس پر مال منگوانا جائز نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔ البتہ لائسنسوں کا استحقاق رکھنے والے حضرات اگر اپنے طور پر خود مال درآمد کرنے کے بعد مال فروخت کریں تو وہ بیع کی تعریف میں آسکتا ہے۔ جب کہ لائسنسوں کی خرید و فروخت کا معاملہ بیع کے زمرے میں نہیں لایا جاسکتا۔

آپ سے درخواست ہے کہ آپ اپنی تحقیق کی روشنی میں اس مسئلے پر مکمل روشنی ڈالیں بلکہ بہتر ہوگا اگر جواب میں حوالہ جات بھی درج فرما دیں۔ اوپر درج شدہ تین بنیادوں کے علاوہ بھی اگر مزید دلائل اور بنیادیں اس معاملہ کی حلت یا حرمت کے متعلق ہوں تو وہ بھی تحریر فرما دیں مکمل اور تفصیلی جواب سے مرحمت فرما دیں۔

جواب:- آپ کا یہ موقف از روئے شریعت بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بعض اشیاء کی خرید یا درآمد کے لیے جو اجازت نامے، پرمٹ یا لائسنس دیتی ہے اور جو کسی متعین فرد یا ادارے کے نام پر جاری ہوتے ہیں۔ ان اجازت ناموں کی بیع و شریٰ یا مالی منفعت کے عوض میں انہیں کسی دوسرے فریق کے تصرف میں دے دینا جائز نہیں ہے۔ فقہاء و محدثین نے بیع کی عام اور اصولی تعریف یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں مال کا مبادلہ مال کے عوض میں ہو۔ اگر مال کا تبادلہ ایسے سکے سے ہو جو اصطلاحاً قیمت یا ثمن کا حامل ہو تو یہ صورت بھی جائز ہوگی۔ مگر پرمٹ یا اجازت نامہ اصطلاحاً یا حقیقتاً کوئی قدر، قیمت یا مالیت اپنے اندر نہیں رکھتا اس لیے یہ مال کی تعریف میں نہیں آسکتا، نہ اس کی خرید و فروخت جائز قرار دی جاسکتی ہے۔ پرمٹ درحقیقت مال کے حصول کا ایک وعدہ یا اجازت ہے۔ جب تک وہ مال فریق اوّل کے ہاتھ میں نہ آئے وہ ایک معدوم یا غیر مقبوض چیز کو آگے کیسے فروخت کرسکتا ہے۔ اس معاملے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آثار صحابہ بالکل واضح ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

صحیح مسلم، کتاب البیوع، باب بطلان بیع المبیع قبل القبض کی ایک حدیث ہے:-

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابتاع طعاماً فلا یبعہ حتیٰ یقبضہ - قال ابن عباس واحسب کل شیءٍ لو بمنزلۃ الطعام۔

(حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص کھانے کی چیز خریدے تو جب تک خرید کر اس کا قبضہ حاصل نہ کرلے اُسے نہ بیچے۔ حضرت ابن عباسؓ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ میں ہر چیز کو کھانے کی چیز کے حکم میں شمار کرتا ہوں)۔

صحیح مسلم میں آگے حضرت عبداللہؓ بن عمرو اور حضرت ابوہریرہؓ سے مروی متعدد احادیث اسی مضمون کی موجود ہیں۔ اس کے بعد یہ خاص روایت آتی ہے جو عین اسی صورت پر منطبق ہوتی ہے جو ہمارے سامنے زیر بحث ہے اور وہ یہ ہے:

عن ابی ھریرۃ انہ قال لمروان احللت بیع الربا - فقال مروان: ما فعلت - فقال ابوھریرۃ احللت بیع الصکاک وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بیع الطعام حتی یستوفی - فخطب مروان الناس فنھی عن بیعھا - قال سلیمان فنظرت الی حرس یاخذونھا من ایدی النّاس۔

(حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے مروان سے کہا کہ تم نے سود کو حلال کر دیا۔ مروان نے کہا، میں نے کیا کیا ہے؟ (یا میں نے تو ایسا نہیں کیا) حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا، تم نے تحریری دستاویزات کی خرید و فروخت کو جائز کر دیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ حاصل کردہ جنس پر پوری طرح قبضہ اور وصول سے پہلے اُسے بیچا جائے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سپاہیوں کو دیکھا کہ وہ لوگوں کے ہاتھوں سے یہ کاغذ واپس لے رہے ہیں)

اس حدیث کی پوری تشریح و تفصیل ایک دوسری حدیث سے معلوم ہوتی ہے جو موطا امام مالک، کتاب البیوع، میں یوں مروی ہے:

عن مالک ان صکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار فتبایع الناس تلک الصکوک بینھم قبل ان یستوفوھا فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فقالا: اتحل بیع الربا یا مروان؟ فقال مروان: اعوذ باللہ، وما ذٰلک؟ فقالا: ھذہ الصکوک تبایعھا الناس ثم باعوھا قبل ان یستوفوھا فبعث مروان الحرس یتبعونھا - فینزعونھا من ایدی الناس و یردّونھا الیٰ اھلھا-

(امام مالکؒ سے روایت ہے کہ مروان کے زمانے میں لوگوں کے نام اس غلّے کے پروانے یا اجازت نامے جاری کیے گئے جو (سمندر کے کنارے ایک مقام) جار پر موجود تھا۔ لوگوں نے اس غلّے کے حصول سے پہلے ہی ان تحریری پروانوں کی خرید و فروخت شروع کر دی۔ حضرت زیدؓ بن ثابت اور ایک دوسرے صحابی مروان کے پاس آئے اور کہنے لگے: اے مروان! کیا تم نے سودی لین دین کو حلال کر دیا ہے؟ مروان نے جواب دیا: خدا کی پناہ، کیا بات ہے؟ دونوں صحابہ نے فرمایا: لوگوں نے یہ پرمٹ حکومت سے خریدے، پھر ان پر غلہ حاصل کیے بغیر انہیں بیچ دیا۔ اس پر مروان نے پولیس بھیجی جو ان کا پیچھا کرتی تھی اور اجازت ناموں کو لوگوں سے چھین کر ان کو واپس کرتی تھی جن کے نام یہ جاری ہوئے تھے)

ان احادیث کے مضمون اور ان کے سیاق و سباق پر غور کرنے سے متعدد مطالب و حقائق سمجھ میں آتے ہیں۔ مثلاً ایک اصولی حقیقت یہ واضح ہوتی ہے کہ ایک حاکم یا صاحبِ اقتدار کے عہد میں جو اہم واقعہ یا رواج نمودار ہوتا ہے، اس کی ذمہ داری براہ راست اس پر عائد ہوتی ہے۔ خواہ اس کے کسی متعین حکم کے نتیجے میں وہ رُونما ہوا ہو یا نہ ہو۔ کوئی بُرائی یا غیر اسلامی کارروائی اگر کھلم کھلا ایک عامل کی عملداری میں صادر ہو اور عامل اس کی روک تھام نہ کرے تو اس بُرائی کا ذمہ دار بھی وہی قرار دیا جائے گا۔ مروان حضرت معاویہؓ کا مدینہ میں گورنر تھا۔ اس نے خود ان پرمٹوں کی خرید و فروخت کا اذن نہیں دیا تھا، نہ اس کے علم میں یہ بات ہوگی، ورنہ وہ اس طرح اظہار برأت نہ کرتا، نہ اپنے کوتوالوں کو لوگوں کے تعاقب میں بھیج کر یہ پروانے واپس کراتا۔ اس کے باوجود صحابہ کرام نے اس فعل کو اس کی جانب منسوب کیا۔ اور اس نے جواب میں اپنی ذمہ داری کو تسلیم کیا۔ ابن عبدالباقی زرقانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ترکِ فعل (OMISSION) بھی فعل (COMISSION) کی تعریف میں داخل ہے۔

دوسری بات جو قابل غور ہے وہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت سب

نے حکمِ ممانعت کو صرف اجناسِ خوردنی تک محدود نہیں سمجھا، بلکہ دوسری اشیاء حتّٰی کہ ان کے اجازت ناموں کی خرید و فروخت کو بھی اس وقت تک جائز قرار نہیں دیا جب تک کہ کوئی مال (COMMODITY) بائع کے قبضے میں نہ ہو۔ اور وہ اس کا قبضہ مشتری کو نہ دلا دے۔ یہی اصول دیگر احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہے۔ پھر مجلسِ عام میں اس قضیّے کا پیش ہونا اور اس کے فیصلے سے کسی صحابی کا اختلاف مذکور نہ ہونا یہ ثابت کرتا ہے کہ یہ صحابہ کرام اور اہل مدینہ کا ایک اجتماعی فیصلہ تھا جس کی رُو سے ان اجازت ناموں کی خرید و فروخت کو سودی کاروبار میں داخل قرار دیا گیا۔ اس اجماعی تعامل کی مزید وضاحت موطا میں وارد اگلی روایت سے ہوتی ہے جو درج ذیل ہے:

عن یحیٰی بن سعید انہ سمع جمیل بن عبد الرحمٰن یقول لسعید بن بن المسیب: انی رجل ابتاع من الارزاق التی تعطی الناس بالجار ما شاء اللہ ثمّ ارید ان ابیع الطعام المضمون علیّ الی اجل، فقال لہ سعید، ترید ان توفیھم من تلک الارزاق التی ابتعت؟ فقال نعم۔ فنھاہ ذٰلک۔

(امام مالک یحیٰی بن سعید سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے جمیل بن عبد الرحمٰن سے سنا کہ وہ حضرت سعید بن مسیّب سے کہہ رہے تھے: میں ایسا آدمی ہوں کہ اس خوراک میں سے خرید لیتا ہوں جو لوگوں کے لیے جار کے مقام پر مقرر ہے۔ پھر میں چاہتا ہوں کہ جس خوراک کی مجھے ضمانت و اجازت دی گئی ہے۔ میں اُسے ادھار فروخت کر دوں۔ حضرت سعید نے پوچھا کیا تم چاہتے ہو کہ لوگوں کے ہاتھ وہ غلہ بیچو جو تم نے خریدا ہے (مگر وصول نہیں کیا)؟ انہوں نے جواب دیا: جی ہاں۔ تو حضرت سعید بن مسیّب نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا)۔

بعض حضرات کا استدلال یہ ہے کہ قبضہ و استیفاء کا سوال صرف اموال کے معاملے میں پیدا ہوتا ہے، جہاں تک حقوق اور متوقع منافع کا تعلق ہے، انہیں صاحبِ استحقاق جب چاہے، جس طرح چاہے دوسرے کی جانب منتقل کر سکتا ہے اور اس کا مناسب معاوضہ بھی لے سکتا ہے۔ سرِ دست اس کے جواب میں اتنی بات کافی ہے کہ پرمٹ یا اجازت نامہ اس طرح کا مسلّم و مؤکّد حق نہیں ہے جس طرح مثلاً قرض یا دَین مہر یا ترکے میں وارث کا حقِ وراثت ہے۔ پرمٹ حقیقی اعتبار سے حق (RIGHT) نہیں، بلکہ ایک مجرّد رعایت و اجازت

یا اُس کا وعدہ ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اجازت دہندہ اسے چاہے دے اچاہے نہ دے۔ یہ اُس کی مرضی پر موقوف ہے اور وہ جب چاہے اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتا ہے۔ اس طرح کا مشروط اور ناقص حق یا صحیح تر الفاظ میں اذن یا وعدہ جب تک مال کی شکل میں ایفا نہ ہو، وہ کوئی لائقِ انتقال یا قابلِ انتفاع چیز نہیں ہے۔ بعض فقہائے کرام نے بھی یہی اصول بیان فرمایا ہے کہ اس طرح کے حقوق مجردہ (یا مفردہ) سے دستبرداری کا معاوضہ لینا جائز نہیں۔ درِ مختار کتاب البیوع کے آغاز میں الاشباہ کے حوالے سے یہ قاعدہ درج ہے کہ:

لا یجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردہ کحق الشفعہ

(مجرد حقوق مثلاً حق شفعہ کا معاوضہ جائز نہیں)۔

مراد یہ ہے کہ کسی فروخت شدہ جائیداد میں اگر کسی شفیع کا حق شفعہ ثابت ہو، تو وہ یہ نہیں کر سکتا کہ خود تو شفعہ دائر نہ کرے لیکن اپنے حق کے عوض میں خریدار یا کسی دوسرے شفیع سے کوئی مالی بدل یا معاوضہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ یہی بات ردّ المحتار میں الاشباہ کے حوالے سے بطور تشریح درج ہے۔ ابن عابدین شامی فرماتے ہیں:

فلو صالح عنہا بمال بطلت ورجع۔

(اس طرح کے حقوق مجردہ میں صاحبِ حق اگر کسی سے مال کے بدلے مصالحت و مفاہمت کرے گا تو یہ مصالحت باطل ہوگی اور اس سے رجوع لازم ہوگا)۔

تقریباً یہی حکم دوسرے الفاظ میں ابن عابدین نے البدائع سے یہاں نقل کیا ہے کہ:

الحقوق المفردۃ لا تحتمل التملیک ولا یجوز الصلح عنہا

(اس طرح کے مجرد حقوق کا مالک کسی دوسرے کو نہیں بنایا جا سکتا، نہ ان کے ترک پر دوسرے سے مصالحت ہو سکتی ہے)۔

اب آخر میں خاتمۂ بحث کے طور پر مولانا عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم دیوبند کا ایک فتویٰ نقل کر دینا مناسب ہے جو اسی موضوع سے متعلق ہے اور جو مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرتبہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جلد ہفتم و ہشتم صہ۲۱ پر یوں درج ہے:

منافع متوقع کی بیع درست نہیں

سوال:۔ ایک گاؤں ہے جس کا زمیندار یعنی زمین کا مالک تو زید ہے اور اس کا خراج یعنی جو محصول منجانب سلطانِ وقت اس زمیندار سے لیا جاتا ہے، بقانونِ سلطانی عمرو کو ملتا ہے جس کو عرف میں معافی دار کہتے ہیں۔ پس اگر عمرو معافی دار اپنا حق (معافی داری) بکر کے ہاتھ بیع یا رہن رکھے جس کا اثر یہ ہوگا کہ بجائے عمرو کے وہ خراج بکر وصول کرنے لگے جس کو قانونِ سلطنتِ موجودہ جائز رکھتا ہے، آیا شرعاً بھی اس حقِ معافی داری کا بیع کرنا یا رہن رکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ قال فی الدر المختار وبطل بیع مالیس بمال الخ (درمختار میں ہے کہ جو شے مال نہ ہو اس کا بیع باطل ہے) اور شامی میں ہے قد منا اول البیوع تعریف المال بما یمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ وانہ خرج بالادخار المنفعۃ فھی ملک لا مال ......

(ہم نے ابواب البیوع کے شروع میں مال کی تعریف یہ بیان کی ہے کہ جس کی طرف طبائع کا میلان ہو اور جسے حاجت کے اوقات کی خاطر ذخیرہ کیا جاسکے۔ ذخیرہ والی شرط سے کسی شے کی منفعت' مال کی تعریف سے خارج ہو گئی، کیونکہ وہ مِلک میں تو آتی ہے مگر مال نہیں ہے)

ان عبارات وامثال سے واضح ہے کہ اس قسم کے حقوق ومنافع متوقعہ کی بیع ورہن شرعاً درست نہیں بلکہ باطل ہے۔

---

(۲)

موجودہ مرحلے میں قادیانی سرگرمیاں

حال ہی میں مجھے ذیل کا خط ایک محب کی طرف سے موصول ہوا ہے اور میری طرف سے اس کا جواب بھی یہاں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ف ر ص)

سوال:۔ مجھے چونکہ قادیانی اُمت کے درونِ خانہ کا علم ہے، اس لیے بعض باتیں پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہوں۔

۱۔ جداگانہ انتخابات کے اعلان کے بعد قادیانی مخصوص انداز میں وسوسہ اندازی کر کے

تحریک اسلامی کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال "اسلامی نظام" نام کا وہ ٹریکٹ ہے جو کلاسیک پر بھی دستیاب ہے اور جسے عباس احمد خان نے لکھا ہے۔ یہ عباس احمد متبنیٰ قادیان کا نہایت قریبی ہے (پتہ: ۵۔ ڈیوس روڈ۔ لاہور) مگر دھوکا دینے کے لیے ٹریکٹ پر کراچی کا ایڈریس تحریر ہے۔ اسے مطالعہ فرمائیے گا۔

۲- ہفت روزہ "لاہور" ۱۹۷۰ء کے بعد سے اب تک ——— اور آجکل بطورِ خاص ——— آئینِ پاکستان اور مسلمانانِ پاکستان کے خلاف ژاژ خوانی میں مصروف ہے۔

۳- تعلیم اور صحافت پر مرزائی پلانٹ کیے جا رہے ہیں (غالباً مراد یہ ہے کہ قادیانی قیادت کی طرف سے اس کے لیے زور لگایا جا رہا ہے) تاکہ وہ اسلامی نظام کی اس لہر کو اپنے حق میں موڑ سکیں۔

اس کی ایک مثال دیتا ہوں۔ سیارہ ڈائجسٹ لاہور جس نے قرآن نمبر اور رسول نمبر ایسے وقیع نمبر نکالے تھے۔ اس میں آجکل مرزائیوں کی یلغار ہے۔ (قلمی اور اصلی ناموں سے نئے نئے مرزائی ادیب پیدا ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں چند ماہ سے ایک قادیانی ایڈیٹر عبدالکریم خالد آگھسا ہے۔ اگست ۸۰ء کے شمارے میں ڈپٹی نذیر احمد کے متعلق ایک مضمون "مسعود شیخ" نامی کسی ہونق نے لکھا ہے۔ جس میں دو قومی نظریہ پاکستان کا خالق ڈپٹی نذیر احمد کو قرار دے کر فکری انتشار پیدا کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ اور علمائے دین کو بار بار "ملّا" کہہ کر ان کی توہین کی گئی ہے۔

ستمبر ۸۰ء کے شمارے میں پورا اداریہ قومی اتحاد اور کابینہ کے خلاف ہے۔ اور بین السطور اسلام کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے۔ اس قسم کی تحریرات دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اسلامی رسائل نہ تو اس خودکاشتہ پودے کی سرگرمیوں کا نوٹس لیتے ہیں اور نہ ہی ان کی گوناگوں سازشوں پر نظر رکھتے ہیں۔

حضورؐ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو جو عشق ہے اس کے پیشِ نظر یہ سطور کر رہا ہوں۔

جواب:۔ (از نعیم صدیقی) آپ نے تحریک اسلامی کی مخالفت میں کام کرنے والی قوتوں میں سے

ایک کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں، کم سے کم ان میں خلوص ضرور ہے۔ آپ کی دی ہوئی معلومات بھی بہت زیادہ وسیع نہیں، محدود سی ہیں اور بالکل سامنے کی ہیں۔ اصل کام دسیوں گنا زیادہ ہے۔

ہم اس امر سے کبھی غافل نہیں ہوئے کہ آج کے حالات کے سمندر میں اسلام کی کشتی کو کھے لے جانا اور ساحل مراد تک پہنچا لینا آسان نہیں ہے۔ ہمارے سامنے الحاد اور مادہ پرستی، سیکولرازم اور سوشلزم، اور نفس پرستی اور خیانت جیسی قوتیں ہیں جو موج و گرداب اور نہنگوں اور مگرمچھوں کی شکل میں حائل ہیں۔ قادیانی جن میں سے کچھ عیاں ہو کر اور کچھ نہاں ہو کر کام کر رہے ہیں، ان قوتوں کے محض مؤید و معاون (سپورٹر) ہیں۔ ان کا معاملہ یہودِ مدینہ سے ملتا جلتا ہے کہ وہ حضور نبی اکرمؐ کی اُٹھائی ہوئی دینی و اخلاقی تحریک کے مقابلے میں مکے کے کفار و مشرکین کو ترجیح دیتے تھے۔ اور خفیہ اور علانیہ ان سے ہر طرح کا تعاون مدینے کی اسلامی ریاست، اسلامی معاشرے اور اسلامی تحریک کے خلاف کرتے تھے۔

اس وقت ملحدین، مغرب پرستوں اور اشتراکیت کے علمبرداروں کو بہت بڑی پشت پناہی ایک طرف پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں سے مل رہی ہے اور دوسری طرف قادیانیوں کی تائیدِ خاص حاصل ہے۔ عام سیاسی دائرے میں بھی اور بیورو کریسی اور پولیس وغیرہ کے دائرے میں بھی — ! بلکہ پیپلز پارٹی کی طرف سے پچھلے انتخابی پروگرام (۱۹۷۷) کے تحت پبلسٹی کی جو اسکیم اسلامی تحریک خصوصاً جماعت اسلامی کے خلاف بنی تھی۔ اس کے لئے بے شمار پوسٹر اور پمفلٹ لکھنے والی ٹیم قادیانیوں ہی کی فراہم کردہ تھی۔ نیز اس سے قبل بھی مختلف خاص مراحل (مثلاً ۱۹۷۳) سرکار کے حسب منشا جماعت کے خلاف ان لوگوں نے پوسٹر لکھے اور چھپوائے گئے۔ جن پر بسا اوقات فرضی اشخاص یا انجمنوں کے نام درج ہوتے تھے۔ اور پرنٹ لائن غائب ہوتی تھی۔

لیکن ہم قادیانیوں کی نشری و اشاعتی "خدمات" کے ساتھ ساتھ ان کی افسرانہ اور ملازمانہ دفتری کارروائیوں پر بھی نظر رکھے ہوئے ہیں اور فی الحال ان سے تعرض نہ کرتے ہوئے بھی ان کی شرارتوں سے واقف ہیں۔ انشاء اللہ وقت پر یہ سارے حالات روشنی میں آجائیں گے۔ اندھیرے کے مکین ابھی آرام سے اپنے اپنے جرائم کو مکمل کرنے میں لگے رہیں۔

البتہ ایک چیز نے نہ صرف ہمیں بے حد شرمسار کر رکھا ہے۔ بلکہ ہماری ساری تحیر آمیز توجہات کو اپنی طرف کر لیا ہے کہ خود ہمارے اپنے ہی دائرے کا گروہ بھی سرمستِ عناد ہے۔ حالانکہ اس کی دلبری کے اعتراف کے لئے ہم نے دل دہی میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔

کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا، تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو!

ابھی ہم ادھر ہی چشمِ غزالیں کی گردشوں اور عشوہ و ناز نو بنو حشر سامانیوں کی داد دینے میں محو ہیں۔ بتانِ عجم کی شان کچھ بھی ہو، بتان حرم کی مقام بڑا بلند ہے۔ ہیں تو بت مگر حرمِ پاک کے بت ہیں! ادھر داد دے چکیں تو پھر اُدھر کی بیداد کا لطف اطمینان سے اٹھائیں گے۔

ہمارے اپنے ہی دائرے کا ایک اور گروہ بھی ایسا ہے جس سے عملاً ہمارا کوئی سیاسی وسماجی یا مذہبی وفقہی جھگڑا نہیں ہے، اور نہ ملت کی طرف سے کوئی جارحیت اس کے خلاف کبھی ہوئی ہے، مگر اس کے فدائی بھی دفتروں کی کمین گاہوں میں عہدوں پہ بیٹھ کر ایک خفیہ لمبا طمانچہ اس پر مُہرے آگے پیچھے کرتے رہتے ہیں۔

جب ان اپنوں کی کرم فرمائیاں سامنے آتی ہیں تو غیروں کی ستم کیشیاں فراموش ہو جاتی ہیں۔ تاہم ہم لوگ اوّل روز سے یہ جان کر چلے ہیں کہ ہمارا راستہ کٹھنائیوں سے بھرا پڑا ہے اور ہمیں چٹانوں کو توڑ توڑ کر، اور کانٹوں کی صفوں کو چیر چیر کے ہمیں ایک ایک قدم آگے بڑھانا ہے۔ سو وہ تو ہوگا۔ قلیل سی مہلت ہمیں ملی ہے اور اسی فرصتِ دودم میں اسلامی نظام کی طرح ڈالنی ہے۔ خدا ہمیں ضرور توفیق دے گا۔ یہ یقین اس لئے بھی ہے کہ ہم اکیلے نہیں ہیں۔

قادیانیوں کی حالیہ سرگرمیاں اربابِ اقتدار کو اِس امر پہ توجہ دلاتی ہیں کہ ۱۹۷۴ کے دستوری فیصلے کے تحت قوانین و قواعد کی شکل میں جو اقدامات ہونے ضروری تھے اور جو اب تک نہیں ہو سکے اُن کا خلا جلد پُر کیا جائے گا۔

آپ نے معاصر عزیز سیارہ ڈائجسٹ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ بڑی حد تک درست ہے۔ ستمبر کا اداریہ واقعی بہت خراب تھا۔ وہ سیارہ ڈائجسٹ کے ۱۵ سالہ دورِ خدمت کے دامن پہ ایسا داغ بن کر رہ گیا ہے جسے بھلایا تو جا سکتا ہے، مٹایا نہیں جا سکتا۔

(باقی بر صفحہ ۴۸)

مطبوعات

کتاب: نفیس پروانے شمعِ رسالتؐ کے
مؤلف: جناب طالب ہاشمی
ناشر: مکتبۂ چراغ اسلام - ۴۰، بی۔ اُردو بازار لاہور
ضخامت - ۵۰۰ صفحات سے زائد
کاغذ، طباعت، جلد بندی اچھی
قیمت: ۴۰/- روپیے

یہ کتاب بہت ہی مبارک ہے۔ صحابہ کرامؓ کی نفیس شخصیتوں اور اُن کے سوانحی خاکوں کو اس میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کا مقدمہ مولانا ماہر القادری مرحوم جیسے صاحب ایمان و عرفان نے لکھا ہے۔

طالب ہاشمی کا راہوار قلم کئی برس سے وادیٔ قرطاس میں جولانیاں دکھا رہا ہے، اور وہ متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ "اُن کی تحریر میں اتنی جاذبیت ہے کہ وہ اگر چاہتے تو کسی بھی مروّج و مقبول دائرے میں مؤثر کام کر کے زر اندوزی بھی کر سکتے تھے اور شہرت کی بلندیوں پر بھی پہنچ سکتے تھے۔ مگر اس صاحبِ فقرِ غیور نے ان اعلیٰ ترین فقیرانِ غیور کی سیرت اور سوانح کو پیش کرنے کے لیے اپنے آپ کو مختص کر دیا جنہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و ہدایت کا اکتساب کر کے "ربِّ اکبر کی حکومت کو قائم کرنے اور اسی میں زندہ رہنے کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا"
(الفاظِ مؤلف ـ ص ۲۰)۔

یہ کتاب اور اس سلسلہ کی دوسری کتابیں جو طالب ہاشمی نے پیش کی ہیں اُن کی قدر و قیمت کچھ اسی نوعیت کی ہے جیسی علامہ سید سلیمان ندوی اور شبلی مرحوم کے نقشے پر دار المصنّفین کے کیے ہوئے وسیع اور گراں بہا تاریخی کام ہے۔ اُردو داں طبقے میں جب سیرت النبیؐ اور سیرِ صحابہ و صحابیات اور اُن کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کا وسیع لٹریچر پھیلا تو قرآن و حدیث کی تعلیمات سے جو اصولی تعلق قلوب و اذہان میں موجود تھا۔ اُسے تاریخ و سیر کے واقعاتی مواد نے ایک نئی قوت دے دی ـــ میری رائے تو یہ ہے کہ

جن مسلم ممالک کی مقامی زبانوں میں اس طرح کا تاریخ و سیر کا لٹریچر موجود نہیں ہے، اُن کے باشندوں میں تحریکِ اسلامی کی رَو پورا پورا زور نہیں پکڑ سکی۔ ہمارے یہاں تو ایک کتاب الفاروق نے وہ کام کیا ہے کہ عامۃ الناس کے سامنے واقعاتی سطح پر اسلامی نظامِ حکومت کا ایک معیار قائم کر دیا ہے۔

یہ تو کہنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی کہ طالب ہاشمی کا انفرادی کام اتنا ہی وسیع و دقیق ہے، مگر یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ طالب ہاشمی اسی کاروان کے ایک فرد ہیں۔ وہ آج اپنے معاشرے کے نوجوانوں کے سامنے قرونِ اولیٰ کی داستان کشاکشِ خیر و شر کے مثبت پاکیزہ کرداروں کے احوال کو نہ صرف تحقیق و تفحص کے ساتھ لا رہے ہیں، بلکہ اُن کا پیرایہ بیان بھی دلکش و جاذب ہے۔ اُن کی تحریر جتنی بلحاظ اظہار کامیاب ہے، اتنی ہی بلحاظ ابلاغ بھی مؤثر ہے۔ میں اپنے الفاظ میں بات کرنے سے زیادہ بہتر یہ سمجھتا ہوں کہ مولانا ماہر القادری مرحوم کے الفاظ کو استعمال کروں:

"انہوں نے خاص طور سے صحابہ کرام کے حالات اور سوانح حیات میں خاصی تحقیق و تفحص اور احتیاط سے کام لیا ہے، اور فنِ تاریخ میں باریک بینی اور ژرف نگاہی کا ثبوت دیا ہے۔ فتنۂ معاصرت بڑی بلا ہے، آج چاہے اُن کی تاریخ نگاری کا کماحقہٗ اعتراف نہ کیا جائے، مگر مستقبل کے اربابِ علم و نظر طالب ہاشمی کو بلند پایہ مؤرخ تسلیم کریں گے"۔ (ص: ۷)

اور زبان اور اندازِ بیان کے بارے میں اُن کا یہ ایک مختصر جملہ کتنا جامع ہے:

"اُن کی زبان شگفتہ، قلم منجھا ہوا اور اسلوبِ نگارش بے حد دلچسپ، سادہ اور عام فہم ہے"۔

اِس کتاب میں صرف تیس صحابہ کرام کے حالات ہی درج نہیں ہیں، بلکہ ہر صحابی کی زندگی جن بڑے بڑے واقعات سے معمور رہی اور جن آزمائشوں اور معرکوں سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریک گذری اُن میں سے بیشتر کے کئی کئی احوال ضمناً بیان ہو گئے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب صرف سوانحی کتاب نہیں رہتی بلکہ تاریخ کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے۔

یہ ایک ایسی کتاب ہے جسے ہر طبقے میں پڑھا جانا چاہیے، جسے سکولوں اور اداروں ہی کی لائبریریوں میں نہیں، لوگوں کی ذاتی گھریلو لائبریریوں میں موجود ہونا چاہیے تاکہ خواتین اور بچے بھی استفادہ کریں۔ نیز صحابہ کے ان احوال کو ریڈیو جیسے ذریعۂ ابلاغ عامہ سے پھیلایا جانا چاہیے۔ اس طریق سے ہم ذہن و کردار

کی ٹوٹی پھوٹی دُنیاؤں کو از سرِ نو تعمیر کر سکتے ہیں اور اپنے آپ کو اور اپنے لواحقین کو اس قابل بنا سکتے کہ وہ اسلامی نظامِ حیات کے علمبردار بنیں اور اس کے لیے راستہ سازگار کریں۔

مجھے افسوس ہے کہ تنگ دامانیٔ اوراق تعارف سے آگے بڑھ کر تفصیلی نقد و تبصرہ کا موقع نہیں دیتی ورنہ مندرجات کا کچھ تجزیہ ہوتا۔ اور "ایک رُخ" اور "دوسرا رُخ" پیش کیے جاتے۔

ایک چیز کھٹکی جس کا تعلق محض ذوق سے ہے۔ "تیس پروانے شمعِ رسالت کے" — یہ عنوان مفہوم کے لحاظ سے برحق ہے، مگر یوں لگتا ہے جیسے میلاد خوانوں کے لغت سے لیا گیا ہو، حالانکہ کتاب مورخانہ، سوانحی اور تحقیقی سطح کی ہے۔ لیکن ہر مؤلف کو حق ہے کہ وہ اپنی کتاب کے لیے جو نام خود مناسب سمجھے، تجویز کرے۔ مجھے اس معاملے میں اپنی رائے پر بے جا قسم کا اصرار بھی نہیں ہے۔

یہ کتاب ہمارے اسلامی اُردو لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے۔

(بقیہ رسائل و مسائل صفحہ ۴۵)

سیارہ ڈائجسٹ کو چاہیے کہ وہ ایسا انتظام کرے کہ آنے والے مسودات کو پوری حساسیت سے جانچے کہ اُن میں کسی فتنے اور شر انگیزی کی بو تو نہیں ہے۔ دین یا دینی تحریکوں کے کام کو نقصان پہنچانے والا کوئی ایک لفظ بھی اس میں شامل نہیں ہونا چاہیے اور نہ کسی کج فکر ایڈیٹر یا قلمی معاون کو اس کے صفحات تک رسائی کا موقع ملنا چاہیے۔

آخر میں آپ کی طرف سے دینی اخلاص کے ساتھ دیے ہوئے مشورے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۵۳۴۰ فروری ۱۹۶۹ء